اسلام اور
ہمارے مسائل

مرتب

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸، حیدرآباد۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام اور ہمارے مسائل

مُرتّب

محمد مُوسیٰ بھٹو

Marfat.com

۲۹۷
۹۸۰۲۸۴
76654

مصنف — محمد موسیٰ بھٹو

کتابت — صابر بن حکیم ذوقی

طباعت — الائیڈ پرنٹنگ پریس حیدرآباد

قیمت — ۳۰ تیس روپیہ

سالِ اشاعت — جولائی سنہ ۱۹۹۲ء

ملنے کا پتا

سندھ نیشنل اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸ حیدرآباد

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہم اسلامی اور ملی مسائل پر غور وفکر کے لیے قارئین کے سامنے سال میں دو تین کتابیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ اسلامی فکر کی اس طرح تشکیلِ نو ہو کہ اسلام کی تفہیم وپیش کش کے لیے اسلوب اور اندازِ بیان تو نیا ہو لیکن اسلامی فکر کے مقاصد کے تعین میں ائمہ سلف کی فکر سے پوری طرح متابعت وموافقت ہو، نیز تمدن نے سیاست، معیشت ومعاشرت میں جو بے پناہ نئے مسائل پیدا کیے ہیں اور مادیت کے بین الاقوامی غلبہ اور تہذیبِ جدید کی نمود نے فکر وعمل کے رخ کو جس طرح تبدیل کر دیا ہے۔ اس میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح، معتدل اور متوازن رہنمائی ہو۔

اس وقت ایک تو ہماری ضرورت یہ ہے کہ سیاست، معیشت ومعاشرت اور اجتماعی نظام کی اسلامی اعتبار سے جس طرح تشکیلِ نو ہو اس کے خدوخال واضح ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں تہذیبِ جدید اور اسلامی تہذیب کے موقف کو تقابلی طور پر پیش ہونا چاہیے تاکہ تہذیبِ جدید سے مرعوبیت کا خاتمہ ہو سکے اور اسلامی نظام پر کم از کم علمی طور پر اعتماد پیدا ہو سکے۔

معاشرے کو اسلامی اعتبار سے درپیش عملی چیلنج کے مقابلہ کے لیے ہمیں ایمان ویقین اور اخلاقی نصب العین کے کام کو بنیادی اہمیت دینی چاہیے۔ ایمان ویقین کی فضا بنا کر ہی اقتدار اور معاشرے کی تبدیلی کے کام کو سرانجام دینا چاہیے۔ ایمان ویقین اور اخلاقی نصب العین کی نہ تو یہ تشریح وتوضیح صحیح ہے کہ عملی زندگی اور اس کے مسائل سے لاتعلق

Marfat.com

ہو جائے۔ اور اسلام کی سربلندی کے لیے تحرک اور جہد مسلسل سے دستبردار ہوا جائے۔ اور عقل و شعور سے کام لینا بند کر دیا جائے، اور نہ ہی اس کی یہ توضیح ہے کہ اخلاقی نصب العین اور اسلام کے نام پر تنگ نظری، گروہ بندی، فتویٰ بازی اور محاذ آرائی اختیار کی جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں جو افراط و تفریط پیدا ہو گئی ہے اسے دور ہونا چاہیے۔ ہمارے غور و فکر اور بنیادی موضوعات کا اصل ہدف یہی مسائل ہیں۔ ہم نے زیر نظر کتاب کو اس طرح ترتیب دیا تھا کہ "اسلام اور موجودہ دور کے مسائل" پر سیر حاصل گفتگو ہو۔ سیاسیات، معاشیات، کلچر، قومیت، عورت وغیرہ سارے بنیادی موضوعات پر جدیدیت کے پس منظر میں اسلام کا متوازن موقف پیش ہو۔ اس سلسلے میں اردو میں اب تک جو مواد لکھا گیا ہے ہم نے اس سے بھرپور استفادہ کر کے اس کا انتخاب جمع کیا تھا، لیکن جب اس کتاب کو ترتیب دیا گیا تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی، جسے شائع کرنا ہمارے لیے دشوار تھا۔ چنانچہ ہمیں اختصار سے کام لینا پڑا۔

زیر نظر کتاب میں ایک تو جدید مسائل پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک سوالنامہ اور اس کے جوابات ہیں۔ یہ سوالنامہ ایم محی الدین صاحب کا تیار کردہ ہے جو انھوں نے برصغیر ہند کے ممتاز علماء اور فاضل شخصیتوں کو ارسال کیا تھا لیکن اس سوال نامہ کے تفصیلی جوابات صرف دو شخصیتوں نے دیے تھے، ایک مولانا محمد تقی امینی صاحب اور دوسرے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب۔ یہ سوال نامہ اور اس کے جوابات "اسلام بیسویں صدی میں" کے نام سے کتاب میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اب یہ کتاب تقریباً نایاب ہے۔ چونکہ جدید مسائل کے بارے میں اسلامی موقف کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ سوال و جواب اب بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور مسائل کی اسلامی تفہیم اور دور جدید کے اہم مسائل کے بارے میں اسلام کے موقف کو سمجھنے کے سلسلے میں اس کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے ہم اس سوال و جواب کو مکمل طور پر تو نہیں، اس کا زیادہ ضروری اور اہم حصہ شامل کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ہم جناب ایم محی الدین صاحب کے ممنون ہیں۔

Marfat.com

کتاب کے دوسرے حصہ میں خطوط شامل ہیں۔ اگرچہ ان خطوط کا براہِ راست "اسلام اور ہمارے مسائل" سے زیادہ تعلق نہیں۔ تاہم چوں کہ فروغِ اسلام کی جدوجہد میں متوازن فکر کا فقدان ہمارا ایک بنیادی مسئلہ ہے اس لیے تہذیبِ جدید کے سیلاب کے مقابلہ اور اسلام کے لیے صف بندی کا کام بہت متاثر ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر دینی جدوجہد کے کام میں اس نکتہ کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی کہ اگر اسلامی کام میں تزکیہ و احسان اور روحانیت کی کمی واقع ہوگی تو اس کام کی افادیت متاثر ہوگی اور برکت رخصت ہو جائے گی، حجابات پیدا ہو جائیں گے اسی طرح اگر اسلامی کام میں حالات کے گہرے جائزے اور گہرے غور و فکر اور شعور سے کام لے کر حکمتِ عملی متعین نہ کی جائے گی تو دین کو درپیش خطرات اور چیلنج کا بہتر طور پر مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ نیز فہم و فراست اور بصیرت و بصارت جو دین کا اہم حصہ ہے وہ متاثر ہوگی۔ خطوط کے حصہ میں تزکیہ و احسان اور عقل و شعور کے متوازن استعمال کی ضرورت و اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس طرح خطوط کا یہ حصہ انشاء اللہ معاشرے میں اسلامی دعوت کے رخ کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ ان خطوط میں مختلف شعبوں میں کام کرنے والی اہم شخصیات کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ اس تعارف سے مقصود یہ ہے کہ ان شخصیتوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی صورت پیدا ہو سکے۔ شخصیتوں کے تعارف میں جہاں کہیں تنقیدی اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ شخصیتیں معاشرے کے لیے مزید مؤثر اور مفید ثابت ہو سکیں .... ہم اس وقت سیاسی معاشی، معاشرتی، انتظامی اور ملی اعتبار سے جن مسائل کا شکار ہیں اور جس بحران سے دوچار ہیں۔ وہ بحران اپنی اصل کے اعتبار سے نہ تو سیاسی ہے اور نہ معاشی اور نہ ہی انتظامی نوعیت کا ہے۔ حقیقت میں یہ سارا بحران اخلاقی نصب العین اور ایمان و یقین کے فقدان کا ہے، ہمارے سارے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور انتظامی مسائل اسی ایک بگاڑ کا شاخسانہ ہیں۔ بے مقصد اور مادیت سے سرشار تعلیمی نظام نے ہمارے اس بحران میں ہمہ جہتی اور ہمہ گیری پیدا کر دی ہے، سیاسی، معاشی معاشرتی

Marfat.com

اور ساری انتظامی اصلاحات اُس وقت لاحاصل ہو جاتی ہیں جب وہ نظامِ تعلیم کے پیداکردہ بے مقصد افراد کے مزاجوں سے ٹکراتی ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے زیادہ موٹی عقل کی ضرورت نہیں ہے کہ جب ہم نظامِ تعلیم کے ذریعہ دس پندرہ سال تک اپنی نسلوں کی تربیت ایمان وعقائد اور بلند اخلاقی اقدار کی بجائے خالص مادیت اور دنیا پرستانہ نقطۂ نگاہ سے کریں گے تو اس غلط تربیت کے نتیجہ میں قومی اور اخلاقی نصب العین کے حامل افسران، سیاستدان، تاجر اور قومی ورکر کیسے پیدا ہوں گے۔ موجودہ نظامِ تعلیم سے اس طرح کی امید رکھنا، اسے حماقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ جب نظامِ تعلیم کے ذریعہ فکر و تفریق وسعت اور بلندی پیدا نہ ہوگی۔ انسانیت کی تکریم اور احترام کے جذبات کی پرورش نہ ہوگی اور قومی احساسات اور قومی یکجہتی بلکہ اس کی بجائے مادیت پرستی، آدم خوری، انسانیت آزاری اور مادی مفاد کی تکمیل کے لیے بڑے سے بڑے قومی مفاد کو قربان کرنے کے جذبات کی نشو و نما ہوگی تو آخر ایسے تعلیمی ڈھانچے سے یہ امید کیسے رکھی جا سکتی ہے کہ معاشرے کو اچانک اس کے ذریعہ سے ایسے افراد حاصل ہوں گے جو قومی مفاد کی پاسداری کریں گے اور ملی فرائض ادا کریں گے اور حیوانی جبلی اور نفسی جذبات پر قابو پانے والے ہوں گے۔ آخر کانٹوں کی فصل سے پھل دار میووں کی کیسے امید رکھی جا سکتی ہے۔

یہ تو ہمارے دین و مذہب اور پرانے ملی اداروں اور ملی شخصیات کا فیض اور کرشمہ ہے کہ اس طرح کے فاسد اور تباہ کن تعلیمی نظام کے ہوتے ہوئے بھی ہم زندہ ہیں ورنہ طویل عرصہ تک بے مقصد تعلیمی نظام طاقت ور سے طاقت ور قوموں کو بھی تباہ کرنے اور ملتوں کی فطرت کو مسخ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ہمارے دانشور، ہمارے اسکالر، ہمارے اہلِ علم، ہمارے تجزیہ نگار اور ہمارے سیاستدان سب کے سب اسی بے مقصد اور مادی جراثیم سے سرشار نظامِ تعلیم کے پیداوار ہیں۔ اس لیے وہ بیچارے ہماری روایات، ہماری اقدار اور ہمارے ملی مسائل اور اس کی نوعیت سے سرے سے آشنا ہی نہیں۔ اسی لیے تو وہ قومی زندگی میں ایمان و یقین اور اخلاقی اقدار کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر

Marfat.com

ہیں سیاسی، معاشی، قانونی اور انتظامی اصلاحات ہی کو وہ سب کچھ سمجھتے ہیں۔ نتیجتہً ہمارا قومی اور ملی بگاڑ بڑھتا ہی جارہا ہے۔

نظامِ تعلیم نہ تو نصاب کا نام ہے اور نہ ہی فنی تعلیم کا۔ نصابی کتب اور فنی اور تجرباتی تعلیم کی اہمیت مسلم ہے لیکن ہم جس تہذیب کے وارث ہیں اور جن روایات اور اقدار کے پاسبان ہیں وہ سراسر اخلاقی اور روحانی نوعیت کی ہیں۔ وہ جہاں کتابوں اور عقل وشعور سے تعلق رکھتی ہیں وہاں ان اقدار کا تعلق زیادہ تر پاکیزہ کردار اور بلند سیرت کے حامل اساتذہ سے صحبت کے ذریعہ فیض رسانی سے ہے۔ ہماری تہذیب ایک تسلسل کا نام ہے۔ یہ تسلسل خلف کو اسلاف کی صحبتوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ نظامِ تعلیم میں کتاب کے ساتھ ساتھ اگر طاقتور اخلاقی قوت اور نفسی ونفسانی قوتوں پر کنٹرول یافتہ شخصیتوں کا انتظام واہتمام نہ ہو تو سیرت سازی اور کردار سازی کے سلسلے میں کتاب زیادہ مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ ہماری تہذیب انسانی نفسیات کو سطحی طور پر تبدیل کرنے کی بجائے اس کی گہرائیوں میں انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے۔ یہ تبدیلی صحبت کی تاثیر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے نظامِ تعلیم میں پاکیزہ کردار اور مضبوط ایمان ویقین کے حامل افراد اور صاحب دل شخصیتوں کا خصوصی انتظام کرنا ہوگا اور قناعت، درویشی، سادگی اور توکل کے صاحب اساتذہ کو بنیادی اہمیت دینا ہوگی اور اسے نظامِ تعلیم کا بنیادی اور اہم حصہ شمار کرنا ہوگا ورنہ نظامِ تعلیم میں تبدیلی بیکار محض ثابت ہوگی۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم نظامِ تعلیم کے ذریعہ حرص وہوا اور مادیت کے بڑھتے ہوئے جذبات (جو انسانیت کے لیے تباہی کا موجب بن گئے ہیں) کو حدِ اعتدال میں رکھنے کے ساتھ ساتھ ایسی سوسائٹی قائم کرسکتے ہیں جہاں انسان، انسان کی حیثیت سے رہ سکیں اور باہم ایک دوسرے کے لیے رضاکارانہ بنیادوں پر ایثار وقربانی کا مظاہرہ کرسکیں۔

جو نسلیں پاکیزہ کردار اور صاحب دل اساتذہ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوکر عملی زندگی میں داخل ہوں، حقیقت میں وہی نسلیں ہماری تہذیب کی صحیح نمائندگی

Marfat.com

کی اہل ہیں۔ اور وہ اپنے انفرادی و اجتماعی مسائل اس خوش اسلوبی سے حل کرسکتی ہیں کہ نہ تو فساد برپا ہوگا اور نہ ہی انتشار، اس طرح ہم ایک ایسی سوسائٹی تشکیل دے سکتے ہیں جو دنیا کے لیے ماڈل ثابت ہو۔

یاد رکھیے، برصغیر ہند میں طاقتور ہندو اکثریت کے ملک میں یہ جو مسلمان آٹھ سو سال تک حکمران رہے اور وہ اپنے ملی وجود کو قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ اس کا بنیادی سبب (یعنی ملی وجود کا قائم رہنا اور آٹھ سو سال تک حکمران رہنا) یہ تھا کہ مسلمان معاشرہ اخلاقی اعتبار سے طاقتور اور جان دار تھا، اور معاشرے میں ہزاروں لاکھوں افراد ایسے تھے جو حکمرانوں کے بگاڑ کے باوجود اپنے دینی اور ملی ذمہ داریاں باحسن طریق ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جوں ہی معاشرے میں اس طرح کے افراد کا بحران پیدا ہوتا چلا گیا، ہم زوال اور غلامی کا شکار ہوگئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معاشرے کو محض اقتدار اور قانون کے ذریعہ نہیں بچایا جاسکتا۔ اس کے لیے اخلاقی برتری اور کردار کی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ ہمیں قومی زندگی میں ایمان ولیقین کی آبیاری اور اخلاقی نصب العین کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرنا ہوگا اور اسی نصب العین کو مرکز و محور بنا کر سارے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

یہ نکتہ بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ اقتدار، قانون اور قوت کا استعمال یہ مجبوری کی چیزیں ہیں۔ یہ عام حالت کے لیے نہیں ہوتی (یعنی عام حالات میں ان کا استعمال نہیں ہوتا) مجبوری کی چیزوں کے ذریعہ انسانی فطرت اور انسانی مزاج میں بنیادی تغیر برپا نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی فطرت میں توازن اور مزاجِ انسانی میں حقیقی تغیر تو ایمان وعقیدہ کے ذریعہ ہی پیدا کیا جاسکتا ہے اور ایمان وعقیدہ ہی طاقتور اخلاقی زندگی پیدا کرتا ہے۔ اور قومی زندگی کے ہر قسم کے فساد اور زہر کو بھی ایمان ولیقین کی آبیاری کے ذریعہ ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ کاش ہمارے دانشور، اسکالر اور سیاستدان اس نکتہ کو سمجھ سکیں۔ اسلامی اعتبار سے ہمارے مسائل کا بڑی حد تک حل یہی ہے کہ ہم اپنی

Marfat.com

ذات میں انقلاب برپا کریں اور معاشرے میں اخلاقی و روحانی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں اور شعور و عقل کو ایمان کی ضیا پاشیوں سے منور کریں تاکہ ایمان کی روشنی میں ہم وہ کچھ دیکھ سکیں جو اسلام ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔

محمد موسٰی بھٹو

۲ر جولائی سنہ ۱۹۹۲ء

حیدرآباد

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

دورِ حاضر کے مسائل پر مولانا محمد تقی امینی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اظہارِ خیال

سوال

بیسویں صدی کے اس مہذب و ترقی یافتہ دور کی رہنمائی بھی مذہبی نقطہ نظر سے "اسلام" کر سکتا ہے۔ یا عیسائیت؟

کیا انسان کو سیکولرازم یا دہریت روحانی و مادی ترقی کی معراج نصیب کرا سکتی ہے؟

جوابات

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب

بنیادی طور پر پہلے چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(ا) موجودہ دور عمومی حیثیت سے لامذہبی دور ہے۔ حکومتی سطح پر مذہب کی جو کچھ "نمود" نظر آتی ہے وہ بڑی حد تک سیاسی مذہب کی ہے نہ کہ حقیقی مذہب کی۔ جب تک معاشرتی زندگی کی تنظیم و تشکیل میں دیانتداری کے ساتھ مذہبی زاویہ نگاہ کارفرما نہ ہوگا اس وقت تک جزئی مسائل کی اصل حقیقت و افادیت نہ برقرار رکھی جا سکے گی۔

(ب) موجودہ دور میں جن سیاسی و معاشرتی نظریات کی کارفرمائی ہے۔ انہوں نے بحیثیت مجموعی ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کر دی ہے کہ دل و دماغ بھی اس سمت جا پڑے ہیں۔ جس سمت سے ہدایت الٰہی انہیں کھینچ کر لائی تھی۔

نیز زندگی کی مادی تعبیر و توجیہ نے انسان کا رشتہ حیوانی نسل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ اُس کے سارے مسائل میں بڑی حد تک حیوانی زاویۂ نگاہ ہی کارفرما بن گیا ہے۔

Marfat.com

بخلاف اس کے ہدایت الٰہی نے انسان کی "نورانی اصل" تسلیم کی ہے اور یہی روح اس کے جملہ مسائل میں سرایت ہے دونوں کے حل کئے ہوئے مسائل میں کبھی لمحہ بھی اس تفاوت کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ ورنہ مذہبی مسائل کی خصوصیات سمجھ میں نہ آسکیں گی۔

(ج) موجودہ دور "ردعمل" کا دور ہے اس کے زاویہ نگاہ میں گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ ہدایت الٰہی زندگی میں "اعتدال" پیدا کرنا چاہتی ہے اور اسی کی مناسبت سے احکام و قوانین مقرر کرتی ہے۔ اس لئے دونوں کے مسائل کا موازنہ کرتے وقت اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(د) مسائل کا باہمی ربط و تسلسل اس طرح ہے کہ کسی ایک جزد کی افادیت پورے نظام سے الگ کرکے نہیں قائم رکھی جاسکتی ہے۔ پھر بعض احکام و قوانین مقصد کے درجہ میں ہیں اور بعض وسائل و ذرائع کے درجہ میں اور دونوں کی حیثیتوں میں فرق ہے جب تک ہمہ جہتی نگاہ نہ ہو اور کلی حکمت و عمومی اصول کے ماتحت مسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے محض ایک جزد یا ضابطہ" کی بحث و تمحیص سے خاطر خواہ نتیجہ کی توقع نہیں ہے۔

(ہ) ہدایت الٰہی "بتدریج" زندگی اور مسائل میں "اعتدال" پیدا کرنا چاہتی ہے اس کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا اور موقع و محل کی مناسبت سے مختلف تدبیریں اختیار کرنا ناگزیر ہے مسائل کے سمجھنے میں ان مراحل و تدابیر سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے ورنہ اصل "ساخت" بگڑ جائے گی اور تقریباً ہر دور میں "مسائل" ناقابل عمل قرار پائیں گے مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تکمیل ۲۲ سال کی مدت میں ہوئی ہے۔ اگر دفعتۂ فضا ہموار ہو کر "انگیز" کے قابل بن جایا کرتی تو یکبارگی مکمل کر دینے میں کیا دشواری تھی؛

اسی طرح نبوت (جو مافوق العادت اوصاف سے آراستہ تھی) ایک عرصہ تک اپنے کارخانہ میں افراد کو ڈھالتی اور سنوارتی رہی۔ نیز تمام آبادی سے اپنی افادی حیثیت منواتی اور غیر جارحانہ طرز عمل کا ثبوت فراہم کرتی رہی جب ایک معتدبہ جماعت تیار ہوگئی اور اصول و نظریات سے اختلاف رکھنے والی آبادی بھی معاہدات وغیرہ کے ذریعہ غیر جانبدار اور پرسنل معاملات میں غیر دخیل بن گئی تو خلافت الٰہیہ

Marfat.com

وجود میں آکر اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے لگی۔ اگر یہ سارے امور ابتدائی مرحلہ میں انجام پا سکتے اور مختلف مراحل سے گذرنا ان کی فطرت میں ودیعت نہ ہوتا تو نبوت کو تائید غیبی کے باوجود اتنا طویل عرصہ طے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر اسلامی اسٹیٹ کے اعلان سے "خلافت" وجود میں آجایا کرتی تو نبوت کو خداداد بصیرت کے باوجود وہ وسائل و ذرائع نہ اختیار کرنے پڑتے جو "خلافت" کو بروئے کار لانے کے لئے ناگزیر تھے، "غرض ہدایت" کے مسائل میں ایک خاص ترتیب و تنظیم ہے جو اسی وقت ٹھیک سمجھے جا سکتے ہیں جبکہ معاشرتی احوال و کوائف پر نظر اور ان کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیوں سے واقفیت ہو۔ ان چند تمہیدی اشارات کے بعد اصل سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) دنیا نے ہدایت الٰہی کی رہنمائی چھوڑ کر کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ ایک مستقل اور وسیع بحث ہے البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتح مند بنانے کے لئے اب تک کوئی "مشین" نہ ایجاد کر سکی۔ نیز قومی و وطنی حد بندیوں سے بالا ہو کر عقل کو خالص انسانی نظر سے محبت و مروت کا "زاویۂ نگاہ" دینے کے لئے کوئی معقول "تدبیر" نہ سوچ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرت انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے اور انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ کے باوجود وہ حل ہوتے نہیں نظر آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ رفتہ رفتہ زندگی میں ایسے "جراثیم" پیوست ہوتے جا رہے ہیں کہ ان کی وجہ سے موجودہ تہذیب بوسیدہ اور تمدن خود تمدن کا دشمن بن رہا ہے۔

اس صورت حال کو ظاہر بین اور سطحی نظریں اگرچہ ابھی محسوس نہیں کر رہی ہیں لیکن حقیقت بین نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے وہ اس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں جیسا کہ وقتاً فوقتاً ان کے بیانات سے وضاحت ہوتی رہتی ہے۔

یہ صورت حال زیادہ دن نہ برداشت ہو سکے گی چار و ناچار آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیت کے تحفظ و بچاؤ کی فکر ہوگی اور پھر ایسی رہنمائی کی تلاش ہوگی جو جذبات کی

Marfat.com

سرمستیوں اور شعلہ باریوں کو روک لگا سکے نیز عقل کو قلب کی تربیت گاہ میں لے جاکر عمومی محبت و مروت کی "چاشنی" اس کو عطا کر سکے۔

اس قسم کی رہنمائی ہدایت الہٰی کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسر آسکتی ہے کہ اس میں انسان کو بجائے "دوربینی" کی نگاہ کے حقیقت بینی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور زندگی کے باریک "تاروں" کے عمل و ردعمل کا جائزہ لے کر حالات و مسائل میں رہبری کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ و فلسفۂ تاریخ کی شہادت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اس سے متعلق مسائل حل کرنے میں مسلسل گردش سے گذرتا رہا ہے افراط و تفریط کی مختلف راہوں سے گذر کر بالآخر اس منزل پر پہنچا ہے جہاں سے گردش کی ابتدا ہوئی تھی۔

اس دور کا انسان بھی مختلف راہوں اور "ازموں" کا تجربہ کر کے انتہا کے قریب آپہنچا ہے جب یہ "انتہا" اپنے تکمیلی مراحل طے کر لے گی تو پھر ابتدا اسی مقام سے ہوگی جس کا نقطۂ آغاز مذہب تھا اور اس میں انسان کی اصل "نورانی" تھی۔ یہی وہ مقام ہوگا کہ انسان کی رہنمائی کے لئے ہدایت الہٰی کی روشنی میں عقل و قلب کا "آمیزہ" تیار ہوگا اور پھر موجودہ مادیت، روحانیت کی چاشنی حاصل کر کے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کے قابل بن سکے گی۔ جیسا کہ دور اول میں اس وقت کے لحاظ سے یہ کمال حاصل ہو چکا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عرصہ سے مذہب کے نام پر عمومی حیثیت سے اس کی جس طرح نمائندگی ہو رہی ہے وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت و صلاحیت کے جوہر نمایاں کر کے اقدام، عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے "عناصر" پیدا کرے اور کسی خوش آیند حال و مستقبل کی نشاندہی کرے۔

اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ موجودہ "سیاست" نے انسان کے کل پرزے اس قدر ڈھیلے کر دیئے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خود فریبی آگئی ہے جس کی بنا پر مذہب کی گہرائی

Marfat.com

دعائی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے موجودہ دور کی خوردبینی کی نگاہیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں ان کے حل کے لئے ایمان و وجدان کی حقیقت بینی والی نگاہوں کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے۔ جن کی سچی نمائندگی سچا مذہب ہی کر سکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کر کے اس تک پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا نے کسی ناگہانی و اتفاقی حادثہ کی بنا پر نہیں بلکہ فطری رفتار کے مطابق بتدریج ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ معلومات و انکشافات کے نئے وسائل و ذرائع نے انسان کے ذہن و مزاج میں بڑی حد تک تبدیلی کر دی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر کسنے اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ سے ناپنے لگا ہے ایسی حالت میں یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو ہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کریگا اور ٹکراؤ کی صورت میں علم و تحقیق کے مسلمہ ذخیرہ کو نذر آتش کر دے گا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکے گا۔ جو علم و حکمت کا علمبردار اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ پر ٹھیک اترتا ہو۔ اور وہی بات قابل وقعت بن سکے گی جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

مذاہب عالم کی موجودہ تعلیمات کے مطالعہ سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ معیار کے مطابق ہونے کی صلاحیت آخری مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تعلیمات ہی میں ہے اس نے اپنے دور اوّل میں انسان کی داخلی تبدیلی کے ذریعہ زندگی کے "ان نار دل" کے پھیرنے میں یقیناً کامیابی حاصل کر لی تھی جو عقل کو جذبات پر فتح مند بناتے اور اس کو عمومی محبت و مروت کی چاشنی عطا کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اجتماعی و تمدنی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور ان کے مسائل کو عدل و رحمت کی فضا میں حل کرتا تھا۔ وہ مطالعہ فطرت کا داعی نیز "معجزات" کے ذریعہ بعد کے سائنٹفک دور کی نشاندہی کرنے والا تھا۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں

Marfat.com

اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا مطالعہ فطرت کو مذموم سمجھ کر اس کی جانب توجہ کرنے والے کا بھوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

قرآن حکیم کے اسی نظریہ کے ماتحت بعد کے ہر دور میں اس کی صلاحیت و ضرورت کے لحاظ سے کام ہوتا رہا حتیٰ کہ یورپ کو یہ نظریہ دے کر اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں یورپ کے مختلف محققین و مورخین مثلاً جان ڈیون پورٹ۔ رینان۔ ڈاکٹر جوزیف ہیل اور گستاؤلی بان وغیرہ نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ ثبوت کے لئے مزید شہادت کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی ہے۔[1]

البتہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہدایت الٰہی کا یہ منصب کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ سائنس و طبیعیات کے ذریعہ کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتی پھرے اور نئے نئے "ذرائع" وضع کر کے نوع بنوع رازہائے فطرت کے انکشاف کو اپنے ذمہ لے بلکہ اس کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرے اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھائے نیز فکری و عملی زندگی کے صحیح حدود متعین کر کے نظم و ضبط اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصول سمجھائے تاکہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور کام کی سمتوں کا متعین کر کے اپنے فرائض کی ٹھیک بجا آوری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ "ہدایت" نے مادی ترقیات میں صرف مرکز اور سمت متعین کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور حالات و زمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی

---

[1] اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب "عروج و زوال کا الٰہی نظام" بھی مفید رہے گی جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

قرار دیا ہے کہ مرکز اور سمت کی تعین کے بعد استعمال کے مضر اثرات سے تحفظ کا بڑی حد تک اہتمام ہو سکتا ہے۔

مذہب عیسائیت کے بارے میں جو آپ نے سوال کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اس کی اصل تعلیم اور روح کا تعلق ہے اس میں اپنے دور کے تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت تھی جیسا کہ ڈاکٹر جوزیف ہیل کی تحقیق ہے۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانہ اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے" [۱]

مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے چنانچہ

وکذالک کل نبی استخلفہم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسہم وتنفیذ امرہ فیہم [۲]

"اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین آبادکاری میں لوگوں کی سیاست میں ان کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا"

ان تصریحات کی موجودگی میں "روسو" کا قول بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کیلئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت بنیادی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دئے جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا" [۳]

در اصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کی تفریق نہ تھی بعد میں انکے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی اس بناء پر "روسو" کا الزام حضرت عیسیٰ پر نہیں بلکہ ان کے ماننے والوں پر درست ہو سکتا ہے مغالطہ کی وجہ بھی یہی ہے کہ عیسائیت کے نام پر مروجہ مذہب کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا۔ اور اسی الزام پر ایک مستقل عمارت تعمیر کر دی گئی۔

صورت یہ ہوئی کہ عیسائیت کو ابتداء ہی میں یونانی مذہب و ذہنیت سے ایسا شدید

---

[۱] تمدن عرب صـ۲۳ [۲] بیضاوی صـ۵۹ [۳] معاہدہ عمرانی صـ۲۲۸

قسم کا ٹکراؤ ہوا کہ اس نے اُس کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا اور سازشیں کرتے رہے اور صدیوں حکومت کی جانب سے بروقت ایسی پُشت پناہی نہ میسر آسکی کہ اس کے حدود و خطوط کے مطابق حکومت تشکیل ہو کر تہذیب و تمدن میں اس کی تعلیمات رواں دواں ہو سکتیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت معتقدین و متبعین کے لئے نہایت روح فرسا اور مایوس کن تھی حالات سے مجبور ہو کر سنت پولوس نے یہی طریقہ کار آسان سمجھا کہ وہ مسیحی تعلیم کے صرف روحانی و اخلاقی حصہ پر زیادہ زور دیں اور شرعی و معاشرتی یا تہذیبی و تمدنی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔ پھر یہودیوں کے مزاج میں جس قدر "درشتی" پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے دین کی اصلی تعلیم اور روح کو پس پشت ڈال کر محض "مراسم" کی پرستش کو اصل مذہب سمجھ لیا تھا اس افراط کا تقاضہ یہی تھا کہ روحانیت پر اتنا زیادہ زور صرف کیا جائے کہ آنے والے "دور میں اعتدال" کے لئے راہیں ہموار ہو سکیں چنانچہ موجودہ عیسائیت میں بھی عفو و درگزر اور رحم و کرم وغیرہ کی بعض مثالیں اس قسم کی موجود ہیں جنہیں معتدل معاشرہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی تعلیم کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ اس کی تدوین و حفاظت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ مسیحی مذہب کے بارے میں معلومات کے مستند ترین ذرائع چار انجیلیں مانی جاتی ہیں (۱) متی (۲) مرقس (۳) لوقا (۴) یوحنا — ان کی حیثیت کلام الٰہی یا کلام مسیح علیہ السلام کی نہیں ہے بلکہ "انسائیکلوپیڈیا" کی تصریح کے مطابق ان چار تذکروں کی ہے جو عہد نامہ جدید میں مسیحؑ کی زندگی تعلیمات اور کردار کے متعلق ملتے ہیں پھر ان کے مصنفین کی زندگی کے حالات کے بارے میں اب تک تفصیلی تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ کون لوگ تھے، حضرت مسیحؑ یا ان کے کسی حواری کی صحبت بھی میسر آئی تھی یا نہیں؛ ویسے بھی یہ کتابیں نہ سریانی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں بلکہ مسیح کے زمانہ کو ایک مدت گذرنے کے بعد یونانی زبان میں لکھی ہوئی ملیں غرض یہ وجوہ اسباب تھے جن کی بناء پر مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم کے کل حصے منظر عام پر نہ آسکے اور موجودہ دنیا کے "خاموش نگاروں" کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ "وہ صرف روحانی سلطنت قائم کرنے آئے تھے" اور مذہبی و سیاسی نظام میں جدائی کر کے دیاست

کی وحدت منافی اور اندرونی تفرقہ پیدا کر دیتے"

رہی یہ بات کہ موجودہ دور میں عیسائیت انسان کو معراج کمال پر پہنچا سکتی ہے اور اس میں نت نئے حالات و مسائل حل کرنے کی صلاحیت ہے؟ اگر یہ بات کسی درجہ میں بھی صحیح ہوتی تو آج مذہبی دور سے سابقہ ہی نہ پڑتا اور دنیا مذہب کو خیرباد کہہ کر "سیکولرازم" یا "کمیونزم" کے دامن میں پناہ نہ ڈھونڈھ سکتی۔

یہ اس لئے کہ "نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اس کے نوک پلک درست کرنیوالے مذہبی ہی لوگ تھے اور "لوتھر" وغیرہ کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر مانا جاتا ہے کہ بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے چنانچہ "ڈلتھائی" نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کے نشوونما میں مذہب ہی کارفرما تھا نیز مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصور کا نتیجہ ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے۔ [۱]

اس نظریہ میں یہ تصور مان لینے سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی مذہبی جذبہ کارفرما تھا؟ لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیات نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔ ان چند جبلتوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں بلکہ دو یا چند چیزیں جب الگ رہتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک و امتزاج سے ایک تیسرا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس بناء پر مذکورہ جبلتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن بتدریج ترقی کے نتیجہ میں "تاثیر اور تاثر" کا

---

[۱] مقدمہ لیسنا نوری کا فلسفہ تمدن و تعلیم

Marfat.com

جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔ [۱]

مذہب کے اسی عالمگیر اثر کو محسوس کر کے "یورپ" کے مصنفوں نے لکھا ہے۔ کہ مذہبی جبلت انسان کی اساسی صفتوں میں داخل ہے اور ڈاکٹر "ہونیاں" نے کہا ہے کہ مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی ہے جیسے "چڑیوں" میں گھونسلا بنانے کی جبلت ہے: [۲] نیٹشے۔ کانٹ۔ پستالوزی۔ وغیرہ کہتے ہیں کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے مذہب بمنزلہ روح کے ہے۔ [۳]

غرض موجودہ دور میں مذہب کے مذکورہ وسیع اثرات مسلم ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت بہر حال مسلم ہے کہ مذہب عیسوی زندگی کے ایسے اقدار دینے میں ناکام رہا جو "نشاۃ ثانیہ" کے مختلف گوشوں میں رہبری کے فرائض انجام دے سکتے نیز اس میں بالخصوص تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت مفقود تھی۔ اس کے "جدید ایڈیشن" سے بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن ساتھ ہی فرقہ وارانہ خونریزی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور نہ صرف یہ کہ جدید زندگی داعی کی ضروریات کو "دہ انگیز" نہ کر سکا بلکہ سمجھنے سے بھی بڑی حد تک قاصر رہا۔

دراصل یہ "جدید ایڈیشن" فکر و عمل کا کوئی مستقل نظام نہ تھا بلکہ "پوپ" کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج کی صورت میں منظر عام پر آیا تھا، اور "رد عمل" کے طور پر صرف چند خرابیوں کے دور کرنے میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا مثلاً یہ کہ پوپ کی غلامی کا جوا اتار پھینکا گیا تھا" گرجا" سے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نکالے گئے تھے اور بعض اس قسم کے مسائل کی اصلاح ہوئی تھی جن کا زندگی کے حقائق و ناگزیر حالات سے زیادہ تعلق نہ تھا اس "اصلاح شدہ ایڈیشن" کو نہ اصول فطرت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوئی تھی اور نہ ہی اجتماعی و تمدنی مسائل سے اس کا تعلق جوڑا گیا تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے یہ اصلاحی تحریک ایسے دور میں ظاہر ہوئی جبکہ یورپ میں زندگی کے آثار نمایاں تھے اور اس کی اندرونی قوتیں زوال کی انتہائی منزلوں سے گزر کر مائل بہ عروج ہو چلی تھیں اس بناء پر عمومی حیثیت سے ابتدائی مرحلہ میں اس کے اثرات خوش

---

[۱] معاشرتی نفسیات ص۸۵ [۲] حوالہ بالا [۳] پستالوزی کا فلسفہ ص۱۸۵

آئند ثابت ہوتے۔ پھر قوم جب ابتدائی مرحلات طے کر کے تمدنی و اجتماعی مسائل کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کی تنگ دامنی حائل بنی اور مجبوراً اس کو دوسری راہ اختیار کرنی پڑی۔

ایک طرف ذہنی و فکری اور عملی زندگی کی وسعتیں تھیں اور دوسری طرف مذہب کی تنگدامنی و بے لبسی تھی۔ دنیوی ضرورت کی نیرنگیاں سمٹ کر اس مذہب میں سمانہ سکتی تھیں۔ اور مذہب کی تنگدامنی ان نیرنگیوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی۔

ایسی صورت میں شدید قسم کا "ردِ عمل" ہونا لازمی تھا چنانچہ بالآخر یہی ہو کر رہا اور دنیا نے مذہب کو خیر باد کہہ کر مذہب کی جگہ لینے کے لئے مختلف "ازم" ایجاد کرنے شروع کر دئے جس میں انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ ہوئی اور وہ "اقدار" جن سے انسانیت نشوونما اور بالیدگی حاصل کرتی تھی نیز وہ اخلاق جو روحانی پاکیزگی کے طور پر اختیار کئے جاتے تھے سب "سیاست" کی نذر ہو گئے اور موجودہ دور کا "انسان" ایک عجیب و غریب مخلوق بن کر رہ گیا [۱]

"نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اصلاح شدہ مذہب کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان میں کس قسم کے داخلی و خارجی محرکات تھے؟ نیز مذہب نے اس وقت کی زندگی کو کیا دیا؟ اور زندگی نے مذہب کو کیا عطا کیا؟ مصلحین میں کون سی بیرونی روح سرایت تھی اور کس تعلیم سے وہ متاثر تھے؟ یہ ساری بحثیں وسیع اور تفصیل طلب ہیں سوال کے دائرہ سے بھی خارج ہیں۔

---

[۱] مزید تفصیل راقم الحروف کا مقالہ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر" میں دیکھنا چاہیئے۔ جو برہان جنوری ۱۹۶۱ء سے شائع ہو رہا ہے۔

Marfat.com

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۱۔ یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے ایک ایک جزو پر علیحدہ بحث کرنی ہوگی۔

(الف) جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے اس دور کی رہنمائی سے وہ پہلے ہی دستبردار ہو چکی ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ کسی دور میں بھی انسانی تہذیب و تمدن کی رہنمائی نہیں کر سکی ہے۔ عیسائیت سے مراد اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اب عیسائیوں کے پاس ہیں تو بائبل کے عہد جدید کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ انسانی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا رہنمائی اور کتنی رہنمائی کرتی ہے؟ اس میں بجز چند مجرد (Abstract) اخلاقی اصولوں کے سرے سے کوئی چیز موجود نہیں جس سے انسان اپنی معاشرت اور اپنی معیشت اور عدالت اور سیاست اور قانون کے متعلق کوئی ہدایت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر عیسائیت سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو عیسائی پادریوں نے بنایا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی نئی تحریک کے رونما ہونے کے بعد وہ ناکام ہو گیا اور مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی کچھ بھی مادی ترقی کی وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر ہی کی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف عیسائیت کا تعصب اور عیسائیت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق ان میں اس کے بعد بھی موجود رہا اور اب بھی ہے۔

(ب) جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اپنے آغاز ہی سے تمدن و تہذیب کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا رہا ہے بلکہ اس نے خود اپنا ایک مستقل تمدن اور اپنی ایک خاص تہذیب پیدا کی ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہدایت نہ دی ہو اور ان ہدایات کے مطابق عملی ادارے قائم نہ کر دیئے ہوں۔ یہ چیزیں جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں قابل عمل تھیں اس طرح اس بیسویں صدی میں بھی قابل عمل ہیں اور ہزاروں برس آئندہ بھی انشاء اللہ قابل عمل رہیں گی۔ اس ترقی یافتہ دور میں کسی ایسی چیز کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جس کی وجہ سے اسلام آج نہ چل سکتا ہو یا انسان کی رہنمائی نہ کر سکتا ہو۔ جو شخص اس معاملہ میں اسلام کو ناقص سمجھتا ہو۔ یہ اس کا کام ہے کہ کسی ایسی چیز کی نشان دہی کرے جس کے معاملے میں اسلام اس کی رہنمائی سے قاصر نظر

76654

Marfat.com

آتا ہو۔

(ج) سیکولرازم یا دہریت درحقیقت نہ کسی روحانی ترقی میں مددگار ہیں اور نہ مادی ترقی میں معراج نصیب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے اہل مغرب نے جو ترقی مادی حیثیت سے کی ہے وہ سیکولرازم یا مادہ پرستی یا دہریت کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ اُس کے باوجود کی ہے۔ مختصراً میری اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کوئی ترقی اس کے بغیر نہیں کرسکتا کہ وہ کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان و مال، اپنے اوقات اور محنتوں کی اور اپنے ذاتی مفاد کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریت ایسی کوئی بنیاد فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ جس کی بنا پر انسان یہ قربانی دینے کو تیار ہوسکے اسی طرح کوئی انسانی ترقی اجتماعی کوشش کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اجتماعی کوشش لازماً انسانوں کے درمیان ایسی رفاقت چاہتی ہے جس میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور ایثار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریت میں محبت و ایثار کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اب یہ ساری چیزیں مغربی قوموں نے مسیحیت سے بغاوت کرنے کے باوجود اُن مسیحی اخلاقیات ہی سے لی ہیں جو ان کی سوسائٹی میں روایتاً باقی رہ گئی تھیں۔ ان چیزوں کو سیکولرازم یا دہریت کے حساب میں درج کرنا غلط ہے سیکولرازم اور دہریت نے جو کام کیا ہے وہ یہ کہ مغربی قوموں کو خدا اور آخرت سے بے فکر کرکے خالص مادہ پرستی کا عاشق اور مادی لذات و فوائد کا طالب بنا دیا ہے مگر ان قوموں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اخلاقی اوصاف سے کام لیا وہ ان کو سیکولرازم یا دہریت سے نہیں ملے بلکہ اُس مذہب ہی سے ملے جس سے وہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اس لئے یہ خیال کرنا سرے سے غلط ہے کہ سیکولرازم یا دہریت ترقی کی موجب ہیں۔ وہ تو اس کے برعکس انسان کے اندر خود غرضی، ایک دوسرے کے خلاف کشمکش اور جرائم پیشگی کے اوصاف پیدا کرتی ہیں۔ جو انسان کی ترقی میں مددگار نہیں بلکہ مانع ہیں۔

Marfat.com

سوال

اگر بیسویں صدی میں بھی اسلامی نظام قابل نفاذ ہے تو موجودہ رجحان و نظریات کی جگہ لینے میں جو مشکلات یا موانع (Handicaps) درپیش ہوں گی۔ ان کا بہترین حل ابن خلدون کے ہر دو نظریۂ حکومت و ریاست یعنی "الخلافت" یا "الحکومت" کس سے ممکن ہے؟

امینی صاحب

(۴۲) کسی نظام کے قابل نفاذ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "آن واحد" میں سارے جزئیات و فروع نافذ ہو کر معاشرتی زندگی میں اپنے اثرات مرتب کرنے لگیں۔

اور اگر معاشرتی ناہمواری و فریب خوردگی کی بناء پر ایسا ہوتا نظر آئے تو فیصلہ کر دیا جائے کہ موجودہ دور میں یہ نظام ہی نفاذ کے قابل نہیں ہے۔

پھر اسلام اوپری سطح کی چند خرابیاں دور کر کے انہیں اعمال و اخلاق پر زیادہ زور نہیں دیتا ہے جو قومی ترقی و سربلندی کے لئے محض قومی پیمانہ پر اپنائے جاتے ہیں اور ان کا اثر مادی ترقیات کی حد تک محدود رہتا ہے۔ بلکہ اس کی اولین توجہ اندرونی قوتوں کی اصلاح پر ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ زندگی میں ایسا "کردار" پیدا کرتا ہے جو روحانی پاکیزگی کی راہ سے ابھرتا اور نشو ونما حاصل کرتا ہے۔

یہ کردار قوم و جماعت کے دائرہ تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں نیابت الٰہی کی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور "تخلقوا باخلاق الله" (الحدیث) (اللہ کے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ) کی ترجمانی کرتا ہے۔

"نیابت" میں جس قدر انسان کی عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت ملحوظ ہوتی ہے اس کا اندازہ درج ذیل تصریحات سے ہو سکتا ہے۔

الخلق کلھم عیال الله (الحدیث)
تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔

الناس کلھم اخوۃ (الحدیث)
تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔

دنیا عمومیت و عالمگیریت کے خواب دیکھنے کے باوجود زندگی کے اس نظریہ کے لئے ہر ابتدائی وسائل بھی نہیں فراہم کر سکی ہے۔ مسئلہ خلافت دراصل اسی نظریہ کو

Marfat.com

بروئے کار لانے کی کوشش ہے۔ جس قدر زندگی میں اس کی ہم آہنگی ہوگی اسی لحاظ سے "خلافت" اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے میں کامیابی حاصل کرلے گی۔

موجودہ دَور میں جس قسم کی رہنمائی ہے اور بالخصوص مسلم معاشرہ جس انداز سے اس رہنمائی کو قبول کرتا جا رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر "خلافت" کے راہ کی مشکلات کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اِدھر "خلافت کے بلند و بالا مقام تک پہنچنے کے لئے عادۃً" بھی مختلف مرحلات اور بتدریج منزلوں سے گذرنا لازمی ہے کہ دفعۃً" نہ کبھی معاشرتی زندگی میں تبدیلی ہوئی ہے اور نہ اس دَور میں ہو سکتی ہے۔

مسلم حکومتیں اس سلسلہ میں نہایت اہم پارٹ ادا کر سکتی ہیں اس لئے وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر ان کو اپنانا اور علمی و عملی حیثیت سے حتی الامکان اس "نظریہ" خلافت کو تقویت پہنچانا موجودہ دَور کی اہم خدمت ہے۔

یہ حکومتیں محض اس بناء پر نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہیں کہ ان میں بڑی حد تک انسانی کے بنائے ہوئے قانون نافذ ہیں یا ارباب حکومت اصحاب دعوت و عزیمت نہیں ہیں۔

ان حکومتوں کے ساتھ ہمارے رویہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ "فرمودات" دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں آپ نے اُس دَور کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ جبکہ خلافت کا اصلی نظام درہم برہم ہو کر اس کی جگہ ملوکیت کے طرز کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ارباب حکومت احکام شرعیہ میں من مانی کارروائی کرنے لگیں گے۔

چونکہ ملت کے قیام و بقاء کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے اس لئے رسول اللہ نے اصلاح کی کوششوں کے ساتھ اس کی اتباع کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ یہ حکومت خلافت کے طرز پر نہیں قائم ہے اور الٰہی حکمت عملی کے مطابق قوانین کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے اس بناء پر "اقتدار" سے منع فرمایا ہے۔

"حدیث" کی تقریباً تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایتیں بکثرت ملتی ہیں اور ان میں دو قسم کے احکام دو مختلف دَور سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

(۱) خلافت راشدہ میں امت کو خلفاء راشدین کی اطاعت و اقتداء دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۲) اس کے بعد ہونے والے خلفاء و سلاطین کو صرف اطاعت کا مستحق بتلایا گیا ہے۔
اقتداء اور اطاعت میں فرق ہے۔

اقتداء: فکری اور عملی زندگی میں کسی کو اپنا پیشوا تسلیم کر لینا پھر اسی کی زندگی کو "نمونہ" بنا کر اس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا۔

اطاعت: کسی کو اپنا قومی فرمان روا تسلیم کر کے رعایا جیسی فرمانبرداری کرنا اور اس کے خلاف کوئی بات ایسی نہ کرنا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس کو حاکم نہیں مان رہے ہیں۔

"اطاعت" ایک عام حالت ہے اور اقتداء اس سے زیادہ خاص ہے۔ دونوں کے فرق کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے ورنہ احادیث کا محل متعین کرنے میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔

موجودہ دور کی مسلم حکومتیں چونکہ خلافت کے مطلوبہ نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ ارباب حکومت بھی اس نظریۂ زندگی کے مطابق پورے نہیں اترے ہیں اس لئے ان کی صرف اطاعت کا حکم ہے ان کے طور طریقوں کی پیروی (اقتداء) اور ان کے کاموں کو شرعی حیثیت دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ جس کی طاقت جہاں تک کام دے موجودہ آئینی طریقوں کو اپناتے ہوئے حکومت و ارباب حکومت کو انہی سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور اس طرح "خلافت" کو بتدریج بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

جن رجحانات و نظریات کی طرف سوال میں اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی وہ ایسے معاشرہ کی تشکیل کر رہے ہیں کہ جس کی سمت ہدایت الٰہی کے "محاذ" میں واقع ہے اور نظریۂ خلافت کو بروئے کار لانے میں بڑی حد تک وہ "رکاوٹ" بنے ہوئے ہیں۔

لیکن ان میں بہت سے رجحانات و نظریات معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں ایسے ہیں۔ جن کو صحیح زاویۂ نگاہ دینے کے بعد اپنایا اور قبول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی حد تک نظریۂ خلافت سے متاثر یا اس سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ہر آنے والی قوم و حکومت جانے والی سے بہا

Marfat.com

باتیں سکیعتی اور نظام حکومت کی تشکیل میں اس کی پیروی کرتی ہے جب کہیں جا کر اپنی حکومت کو وہ مضبوط کر پاتی ہے۔

موجودہ دور کی ساری حکومتیں اسلام کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ان کی تشکیل میں نہ معلوم کتنی باتیں اسلام سے لی ہوئی ہیں۔ محض افراد و اشخاص کے بدل جانے سے ان سب کو غیر اسلامی سمجھ کر نظر انداز کر دینا دور اندیشی اور خوش آئندہ مستقبل کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔

دراصل دنیا رجحانات و خیالات کے لحاظ سے بتدریج ترقی کرتی جا رہی ہے ان میں معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں بہت سے وہ رجحانات و نظریات ہیں جو دوسری شکلوں اور ناموں سے دنیا کو "خلافت" کے قریب لا رہے ہیں اس بناء پر خلافت کی کوشش اور جد و جہد میں ان کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور پیغمبرانہ طرز عمل سے اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ۔ وہ پیغمبر لوگوں کو "معروف" کا حکم دیتا اور "منکر" سے روکتا ہے

"معروف" کی تعریف میں مفسر قرآن نے نہایت دقیق اور نکتہ کی بات کہی ہے۔

والمعروف ما حسنہ الشرع والعقل[۱] معروف وہ ہے جسکی شرع اور عقل تحسین کرے۔

اس تعریف کے مطابق ہر دور و زمانہ کے وہ رجحانات و نظریات جو عقل و شرع کے خلاف نہ ہوں "معروف" میں داخل ہوں گے۔

قرآن حکیم کی اس تعبیر میں بڑی وسعت و گنجائش ہے اس سے معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق ہر اچھے رجحان و قوانین کی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کا ثبوت ملتا ہے۔

البتہ "معروف" و "منکر" کی شناخت میں ہدایت الٰہی کی عطا کی ہوئی روشنی میں معیار بن سکتی ہے کہ اس کے بغیر قوی اندیشہ ہے کہ "جرائم" و "جواہر" میں امتیاز نہ باقی رہیگا

---

[۱] احکام القرآن للجصاص ؒ

Marfat.com

اور لاعلمی کی حالت میں بہت سے "جرائیم" جواہر کے روپ میں معاشرتی زندگی کی نمو بخش صلاحیت پر اثرانداز ہوتے رہیں گے۔

غرض ان رجحانات ونظریات کو اصلاحی وانتقامی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ان میں سے بعض بعینہٖ اختیار کرنے کے لائق ہوں گے اور بعض میں ترمیم واصلاح کی ضرورت ہوگی اور بعض کو بتدریج ختم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

ہر زمانہ کے رجحانات ومالوفات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے طرز عمل سے استفادہ کرنا چاہیئے یہ حضرات اپنے زمانہ کے رجحانات ومرغوبات کے سلسلہ میں شمشیر بے نیام نہ تھے کہ جو بات بھی موجود دیکھی اس کو غیر آئینی قرار دے دیا یا جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا۔

بلکہ لوگوں کی نفسیات اور معاشرتی احوال کے پیش نظر "خذ ما صفا ودع ما کدر" (ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور خراب چیزوں کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل کرتے رہے ہیں[1]

اس طریق سے ہر دور میں بہت سے رجحانات ومالوفات نظام الٰہی کا جز بنتے رہے اور بدستور ان پر عمل درآمد باقی رہتا رہا۔ البتہ یہ حضرات ترک وقبول کے ہر مرحلہ میں دو باتوں کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔

(۱) معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کی کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ۔

(۲) ان میں ہدایت الٰہی کی روح پھونکنا اور الٰہی سانچہ میں اس طرح ڈھالنا کہ وہ نظام الٰہی میں فٹ ہو جائیں۔

موجودہ رجحانات ونظریات جو معاشرتی زندگی میں رائج ہیں اور ان سے بہتر نتائج برآمد ہو رہے ہیں ان سب سے قطع نظر کرکے اسلام کی "مجبوبۂ روزگار" تعبیر وتوجیہ کرنا یا اس انداز سے پیش کرنا کہ اس کا نفاذ عملاً ناممکن نظر آئے میرے نزدیک اسلام کی یہ کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

ترک وقبول کے مرحلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وہ بیان بالخصوص مفید رہے گا۔ جس میں انہوں نے مروجہ مراسم وقوانین کا تذکرہ کرکے انبیاء کی طرز عمل کی نشاندہی کی ہے[2]

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۰ و ۱۰۳ - ۱۲۳ [2] حجۃ البالغہ

حاصل یہ کہ خلافت کو مقصد کے درجہ میں اور حکومت کو وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں رکھا جائے اور بتدریج بہتر صورت کی جدوجہد جاری رہے بالخصوص مذہبی تنظیم اور اس کے ذریعہ رفاہ عام کے کاموں کو نمایاں حیثیت دی جائے۔ اسی طرح موجودہ رجحانات و نظریات میں اسلامی روح و مقصد کے پیش نظر فراخ حوصلگی سے کام لیا جائے نیز بتدریج مختلف تدبیروں (تعلیم و تربیت وغیرہ) کے ذریعہ اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش ہوتی رہے تو بآسانی مشکلات پر قابو پانے کی راہیں نکل سکتی ہیں اور منزل بمنزل خلافت تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهو احق بها (الحدیث)

حکمت و دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی اسکو پائے وہ سب سے زیادہ مستحق ہے

اس حدیث میں جس طرح "مومن" کی طرف اضافت سے اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قبول کرنے سے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کہ وہ اسی کی چیز ہے اس سے زیادہ اس بات کی رعایت ہے کہ مومن کو فراخ حوصلہ اور وسیع الظرف ہونا چاہیئے۔

مودودی صاحب

۲- اس زمانے میں اسلامی نظام کو جو چیز نافذ ہونے سے روک رہی ہے اور جو رجحانات اور نظریات اس کے راستے میں سدِّ راہ ہیں ان کا اگر تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مسلمان ملکوں پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے پیدا کیا ہے۔ مغربی قومیں جب ہمارے ملکوں پر مسلط ہوئیں تو انہوں نے ہمارے قانون کو ہٹا کر اپنا قانون ملک میں رائج کیا۔ ہمارے نظام تعلیم کو معطل کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا۔ تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں سے اُن سب لوگوں کو برطرف کیا جو ہمارے تعلیمی نظام کی پیداوار تھے اور ہر ملازمت ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دی جو اُن کے قائم کردہ نظام تعلیم سے فارغ ہو کر نکلے تھے۔ معاشی زندگی میں بھی اپنے ڈاھنگ اور طور طریقے رائج کئے اور معیشت کا میدان بھی رفتہ رفتہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہو گیا جنہوں نے مغربی تہذیب و تعلیم کو اختیار کیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ہماری تہذیب ہمارے تمدن اور اس کے اصولوں اور نظریات سے انحراف کرنے والی ایک نسل ہمارے اندر پیدا کر دی جو اسلام اور اس کی تاریخ اس کی تعلیمات اور اس کی روایات سے تکمیلی طور پر بھی بیگانہ ہے اور اپنے رجحانات کے اعتبار سے بھی بیگانہ۔ یہی وہ

چیز ہے جو دراصل ہمارے اسلام کی طرف پلٹنے میں مانع ہے اور یہی اس غلط فہمی کا موجب بھی ہے کہ اسلام اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ساری تعلیم اور تربیت غیر اسلامی طریقے پر دی گئی ہو وہ آخر اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ اسلام قابل عمل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ جس نظام زندگی کے لئے وہ تیار کئے گئے ہیں اسی کو وہ قابل عمل تصور کر سکتے ہیں۔ اب لامحالہ ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو ہم من حیث القوم کافر ہو جانے پر تیار ہو جائیں اور خواہ مخواہ اسلام کا نام لے کر دنیا کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔ یا پھر خلوص اور ایمانداری کے ساتھ (منافقانہ طریق سے نہیں) اپنے موجودہ نظام تعلیم کا جائزہ لیں اور اس کا پورے طریقہ سے تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہم کو اسلام سے منحرف بنانے والی ہیں اور اس میں کیا تغیرات کئے جائیں جن سے ہم ایک اسلامی نظام کو چلانے کے قابل لوگ تیار کر سکیں۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے تعلیمی کمیشن نے اس مسئلہ کی طرف کسی اچٹتی ہوئی توجہ بھی نہیں کی۔ یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے اور جب تک ہم اسے حل نہیں کر لیں گے اس وقت تک اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ کبھی ہموار نہ کر سکیں گے۔

ابن خلدون کے کسی نظریہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مسئلہ کی جو نوعیت اب پیدا ہوئی ہے وہ ابن خلدون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ مسئلہ کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ مغربی استعمار رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ملکوں میں اس نسل کو حکمران بنا کر چھوڑ گیا ہے جس کو اس نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب کا دودھ پلا پلا کر اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ جسمانی حیثیت سے تو ہماری قوم کا حصہ ہے لیکن علمی اور ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے انگریزوں فرانسیسیوں یا ولندیزیوں کا پورا جانشین ہے۔ اس طبقہ کی حکومت جو مشکلات پیدا کرتی ہے ان کو رفع کرنے کا معاملہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے جسے حل کرنا ابن خلدون کے نظریات کا کام نہیں۔ اس کے لئے بڑے سنجیدہ غور و فکر کی اور حالات کو سمجھ کر اصلاح کے لئے نئی راہیں نکالنے کی ضرورت ہے۔

ٹ

Marfat.com

سوال

کیا اسلامی حکومت موجودہ دور میں جبکہ ایک ملک دوسرے ملک سے قطع تعلق کر کے ترقی نہیں کر سکتا غیر ممالک سے مطلق اقتصادی، فوجی، ٹیکنیکل امداد یا بین الاقوامی بینک سے شرح سود پر قرض لینا بالکل حرام قرار دے گی؟

(الف) پھر مادی، صنعتی زراعتی و سائنسی ترقی وغیرہ کی جو عظیم خلیج مغربی ترقی یافتہ (Advanced) ممالک اور مشرقی وسطی بالخصوص اسلامی ممالک یا اس ایٹمی دور میں Have اور Have not کے درمیان حائل ہے کس طرح پر ہو سکے گی؟

(ب) نیز کیا اندرون ملک تمام بینکنگ و انشورنس سسٹم ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

(ج) سود، پگڑی، منافع و ربح اور گڈول (Good Will) و خرید و فروخت میں دلالی و کمیشن کے لئے کونسی اجتہادی راہ نکالی جا سکتی ہے؟

(د) کیا اسلامی ممالک آپس میں سود، منافع، ربح وغیرہ پر کسی صورت میں قرض کا لین دین کر سکتے ہیں؟

○

امینی صاحب

۱۔ جدید ضروریات کے ماتحت جو جدید حالات و مسائل درپیش ہوں گے ان میں مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے بتدریج متوازن راہ نکالے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ ابتدا میں لازمی طور سے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزیں قبول کرنی یا نظر انداز کرنی ضروری ہوں گی جو آگے چل کر اپنی موجودہ پوزیشن میں نہ باقی رہ سکیں گی۔ اس طرح بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہو گی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کڑی شرطیں منظور فرمائی تھیں۔ اس میں اسلامی سیاست خارجہ اور بیرونی ممالک سے تعلقات استوار رکھنے کے

Marfat.com

سلسلہ میں واضح مثالیں موجود ہیں۔ [1]

اسی طرح ترک و قبول کے مرحلہ میں معاشرتی اصول و کوائف پر نظر رکھنا ضروری ہے۔
اس کا ثبوت درج ذیل واقعہ میں ہے حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ نے اس کو کعبہ کے ساتھ نہیں شامل کیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی۔

لولا حدیثۃ عہد قومک باللہ لنقضت الکعبۃ ولجعلتہا علی اساس ابراھیم [2]

اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیمؑ پر اس کی تعمیر کرتا اور حطیم کو اس میں شامل کرتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندرون ملک جو بہت سے کاروبار چل رہے ہیں اور ان کی وجہ سے اسلامی اقدار پائمال ہو رہے ہیں۔ مرعوبانہ ذہنیت یا سہل پسندی کی بنا پر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے نہ ان میں متوازن صورت نکالنے کی کوشش ہو اور نہ ہی بتدریج ختم کرنے کی راہیں نکالی جائیں۔

اگر یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی جس طرح مسلم ممالک میں ہے کہ بہت سے حالات و مسائل میں قابو پانے کے باوجود ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ بلکہ مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے تو موجودہ دور کے قاموس نگار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان حکومتوں نے مذہب کو "سیاسی مذہب" کی پوزیشن میں اختیار کیا ہے۔ نہ کہ حقیقی مذہب کی۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ آج کرے گی۔ لیکن تعلق کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں، اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق، اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے اگر کسی ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے کی کوشش کرے گی۔ اخلاقی حالت سدھارنے کے معنی یہ ہیں۔ کہ

---

[1] ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام ص ۸ تا ۱۴ [2] مسلم ج ۲ ص ۴۲۹ اور عروج و زوال کا الٰہی نظام ص ۹۳

قوم کے حکمران اور اس کی انتظامی مشنری کے کارپرداز اور قوم کے افراد ایماندار ہوں۔ اپنے حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو ملحوظ رکھنے اور سمجھنے والے ہوں۔ اور سب کے سامنے ایک بلند نصب العین ہو جس کے لئے جان، مال اور وقت اور محنتیں اور قابلیتیں سب کچھ قربان کرنے کے لئے وہ تیار ہوں۔ نیز یہ کہ حکمرانوں کو قوم پر اور حکمرانوں پر قوم کو پورا اعتماد ہو اور قوم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس کے سربراہ درحقیقت اس کی فلاح کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال اگر پیدا ہو جائے تو ایک قوم کو باہر سے در بدر قرض مانگنے کی صورت پیش نہیں آسکتی۔ ملک کے اندر جو ٹیکس لگائے جائیں گے وہ سو فیصدی وصول ہوں گے اور سو فیصدی ہی وہ قوم کی ترقی پر صرف ہوں گے نہ ان کی وصول یابی میں بے ایمانی ہو گی اور نہ ان کے خرچ میں بے ایمانی ہو گی۔ اس پر بھی اگر قرض کی ضرورت پیش آئے تو قوم خود سرمایہ کا ایک بڑا حصہ رضاکارانہ چندے کی صورت میں اور ایک اچھا خاصہ غیر سودی قرض کی صورت میں اور ایک حصہ منافع میں شرکت کے اصول پر فراہم کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلدی پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیار ہو جائے۔

بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی کوئی ناگزیر صورت پیش آہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے، تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ملک کے اندر سودی لین دین جاری رکھنے کا پھر بھی کوئی جواز نہیں۔ ملک میں سود بند کیا جا سکتا ہے۔ اور پورا مالی نظام (Financial System) سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے۔ میں اپنی کتاب "سود" میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ بنکنگ کا نظام سود کے بجائے منافع میں شرکت (Profit Sharing) کے اصول پر چلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح انشورنس کے نظام میں ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہیں۔ جن سے انشورنس کے سارے فوائد غیر اسلامی طریقہ اختیار کئے بغیر حاصل ہو سکیں۔ دلالی

Marfat.com

پگڑی یا کمیشن یا گڈ ول Good Will وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ شرعی پوزیشن ہے جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا۔ تو اس کا جائزہ لے کر یا تو سابق پوزیشن بحال رکھی جائے گی یا پھر ضروری اصلاحات کی جائیں گی۔

سوال

اس برصغیر میں چونکہ تمام قانونی ضابطہ ہائے دیوانی، فوجداری، مالیاتی اور عمل درآمد Procedural Law وغیرہ عرصہ سے ہر عدالت میں جاری ساری ہیں اور چونکہ ڈیڑھ صدی سے تمام لوگ بالخصوص جج و وکلا وغیرہ نہ صرف ان قوانین سے پوری طرح مانوس بلکہ اس کا وسیع علم رکھتے ہیں اسلئے بھی اسلامی مملکت کے قیام سے یہاں برطانوی دَور کے نظام عدل British Rule of Law کا سارا ڈھانچہ بدلنا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی عدالتی ریفارم لائی جائیں گی جبکہ اسلامی قانون کسی پہلو سے جامع مرتب یا مکمل اور مُدوّن Codified نہیں ہے؟

(الف) اسلامی عدالتی نظام میں وکلا کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا اسی طرح Procedural Law کے تحت انہیں مقدمات لڑنے اور مقدمہ بازی Litigation کو طول دینے کا اختیار ہوگا؟

(ب) کیا اس موجودہ ترقی یافتہ دَور میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے کی سزائیں دی جائیں گی؟

(ج) کیا قاضیوں کو موجودہ نافذ قانون شہادت (Evidence Law) کی مدد کے بغیر فیصلے صادر کرتے ہوں گے؟

(د) پھر بین الاقوامی قسم کے ادارے مثلاً اقوام متحدہ (United Nations) کی جنرل اسمبلی، سیکورٹی کونسل، بین الاقوامی عدالتِ انصاف یا کرشل ٹریبونل اور بیرقوانین وغیرہ کی عمل داری دخل اندازی یا انٹرنیشنل لا پر عمل پیرا ہونے اور ان کی من وعن قبولیت کے لئے اسلامی حکومت کا کیا ردّیہ ہوگا؟

(ہ) اگر اسی قسم کے ادارے اسمبلی کنفیڈریشن یا اسلامی بلاک بنا کر عمل میں لائے جائیں۔

Marfat.com

نوان کو کیا حیثیت حاصل ہوگی ؟

(ص) کیا اسلامی قانون ساز اسمبلی کے پاس شدہ یا اجتہادی احکام کی اسلامی عدلیہ کو نظرثانی (review) کرنے کا اختیار ہوگا ؟

(ط) اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات کس طرح رفع کئے جا سکتے ہیں ؟

امینی صاحب

(۱) یہ کام بھی بتدریج کرنے کا ہے ابتدائی مرحلہ میں قانون کی "جدید تدوین" ہے۔ پھر اس کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام ہے اور اس کے بعد نفاذ کا درجہ ہے قانون کے نفاذ میں بھی مختلف مراحل سے گذرنا لازمی ہے نہ بیک وقت سارے قانون نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرتی زندگی ان کی متحمل بن سکتی ہے۔

اسلامی قانون کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ معاشرتی احوال کے پیش نظر اس میں لچک اور ہر حالت کی مناسبت سے قانون موجود ہے چوری وغیرہ کی ابتدا میں وہی سزائیں نافذ ہو سکیں گی۔ جو ابتدائی مراحل کے لئے مقرر ہیں۔

معاشرتی اصلاح اور اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد "وکلا" کی حیثیت خود بخود متعین ہو جائے گی اور بڑی حد تک یہ اُن ضروریات کے حامل بن جائیں گے۔ جن کو معاشرہ کی ضرورت ہوگی۔ فریقین کی رہنمائی" مختار" کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی وغیرہ کا کام پھر بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ مسلم حکومتوں کے زمانہ میں وکیل الخصومۃ کے نام سے اسی قسم کے کام یہ انجام دیتے رہے ہیں[۱]۔ البتہ عدالت کی سمتوں کی تعین کے بعد ان کے کام کی موجودہ نوعیت میں لازمی طور سے تبدیلی ہو جائے گی اور حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان کے مزاج بھی بدل جائیں گے۔

بین الاقوامی ادارے اور اس قسم کی تمام وہ کوششیں جو دنیا کو ایک مرکز پر لانے انصاف کو عام کرنے مظلوم ملکوں اور قوموں کو نجات دلانے وغیرہ کاموں کے لئے ہوں گی۔ اسلامی حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ لیکن اپنے مقصد اور جدوجہد کو ایک لمحہ کے لئے کبھی وہ فراموش نہ کرے گی۔" میثاق فضول" محدود پیمانہ پر اسی

---

[۱] فقہ کی کتابوں میں وکیل الخصومۃ کے احکام موجود ہیں۔

Marfat.com

قسم کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اسمیں شرکت فرمائی۔ بلکہ اس کے لئے فرمایا کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پیارا ہے [۱]

مودودی صاحب

اس سوال کے جواب میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینی چاہیئے کہ جب انگریزی حکومت اس ملک میں آئی تھی تو اس وقت سارا قانونی نظام (Legal System) اسلامی فقہ پر قائم تھا۔ انگریزوں نے آکر اس کو یک لخت تبدیل نہیں کیا بلکہ انگریزی حکومت میں سالہا سال تک اسلامی نظام ہی چلتا رہا۔ انگریز اس کو بتدریج تبدیل کرتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنا نظام رائج کیا۔ اب اگر ہم اسلامی نظام قانون کو از سر نو قائم کرنا چاہیں تو یہ تبدیلی بھی یک لخت نہیں، بتدریج ہی ہوگی اور اس کے لئے بہت حکمت کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھانا پڑے گا۔ اسلامی قوانین اگر مدوّن (Codified) نہیں ہیں تو ان کے مدون (codify) کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون کی شرحیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کو آسانی سے اردو زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور آگے نئی شرحوں کا سلسلہ چل سکتا ہے

اسی موجودہ ترقی یافتہ دور میں سعودی عرب میں زنا اور چوری کی سزائیں جاری ہیں۔ اور تجربے نے تمام دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہی سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی اتنی کمی ہو گئی ہے جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ اب اگر اس دور کے ترقی یافتہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ جرائم میں ترقی ہو تو بسم اللہ، مغربی قانونی سسٹم پر عمل کرتے رہیئے۔ لیکن جرائم کا انسداد بھی اگر ترقی کے لئے ضروری ہے تو پھر یہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کارگر کوئی قانون نہیں ہے۔ دراصل اس زمانے کی مذہبی تہذیب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس کی ساری ہمدردیاں مجرموں کے ساتھ ہیں اسی لئے یہ نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ چوری کرنا کوئی وحشیانہ کام نہیں ہے۔ البتہ اس پر ہاتھ کاٹنا وحشیانہ کام ہے۔ اور زنا کا ارتکاب تو مغربی تہذیب میں

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج۱ حلف فضول

Marfat.com

ایک تفریح ہے ہی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس خیال کا ماخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون میں قاضیوں کو قانون شہادت (Law of Evidence) کی مدد کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ایسا دستور العمل رہا ہے۔ حالانکہ خود قرآن نے قانون شہادت کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں اور اس کی بیشتر تشریحات حدیث اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے ملتی ہیں۔ بالخصوص فقہا نے ان اصولوں کو نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے اور اسلامی دور میں کوئی ایسا قاضی نہیں گزرا جس نے ثبوت کے بغیر فیصلے صادر کئے ہوں۔

وکالت کے بارے میں میرے نزدیک صرف اتنی اصلاح درکار ہے کہ قانون کی پریکٹس بند کر دی جائے اور وکلا کو اسٹیٹ معاوضہ دے۔ اب بھی قانون کا نظریہ یہ ہے کہ وکیل کا اصل کام اپنے موکل کی حمایت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عدالت کو قانون سمجھنے اور منطبق (Apply) کرنے میں مدد دینا ہے۔ وکالت کے پیشہ بن جانے کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ وکیل عدالت کو گمراہ (Mislead) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گواہوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ عدالت کے سامنے مقدمے کی روئداد غلط لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدمات کو طول بھی دیتے ہیں۔ اور مقدمہ بازی کو بڑھاتے بھی ہیں۔

بین الاقوامی قسم کے تمام اداروں میں ہم شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے اندر اگر کوئی چیز بھی ہمارے اصول کے مطابق نہ ہوگی تو ہم اس کی حد تک اپنی الگ پالیسی بنائیں گے۔ اور اسی حد تک ہماری شرکت میں استثنا ہوگا۔ مسلمان ممالک خود اپنی دولت متحدہ (Common Wealth) یا تحالف (Confederation) بنا سکتے ہیں اور اسلامی اصول کے مطابق باہمی تعلقات کے طریقے مقرر کر سکتے ہیں۔

اسلامی قانون ساز اسمبلی کے طے کئے ہوئے اجتہادی احکام پر اسلامی عدلیہ نظر ثانی (Review) نہیں کر سکتی البتہ اگر وہ احکام قانون ساز اسمبلی کے اختیار سے متجاوز ہوں تو ان کو حدود اختیار سے تجاوز (Ultra vires) قرار دے سکتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو ایک سٹیج پر لانے کے لئے اختلافات رفع کرنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سنت کی ہدایات پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی تاویل اور سنت کی تحقیق میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مل کر کام کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اس اصول کو مان لیں کہ جو شخص بھی قرآن اور سنت کو سند و حجت (Authority) مان لے وہ ہماری برادری کا آدمی ہے تو یہ چیز کسی آدمی کو ہماری برادری سے خارج نہیں کر سکتی کہ وہ قرآن کے معنی ہم سے مختلف سمجھ رہا ہے اور اسکے نزدیک کسی معاملہ میں سنت سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جتنی عدالتیں بھی پاکستان کے دستور اور قانون کو واجب الاطاعت قانون مان کر کام کرتی ہیں وہ سب اس ملک کی جائز عدالتیں ہیں اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ تمام عدالتوں کے فیصلے بھی یکساں ہوں۔

○

سوال

موجودہ آزاد تمدنی دور میں بھی کیا غربا و مساکین کے لئے امرا و رؤسا سے "زکوٰۃ فنڈ" جبراً وصول کیا جانا مناسب ہوگا۔ جبکہ وہ دیگر کئی ٹیکسوں کے علاوہ انکم ٹیکس بھی حکومتِ وقت ہی کو ادا کرتے ہوں؟

الٰہی صاحب

۱۔ جس روح اور مقصد کے پیش نظر "زکوٰۃ" فرض ہوئی ہے اور غیر شعوری طور پر اس کے ذریعہ جذبات کی جس انداز سے تربیت ہوتی ہے "انکم ٹیکس" کی ادائیگی سے نہ وہ روح پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ "زکوٰۃ" موجودہ دور کے ٹیکس کی حیثیت میں نہیں ہے بلکہ زندگی کی تربیت و خاص سانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک "آلہ" کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح نماز۔

Marfat.com

کل کو نماز کا بھی کوئی بدل مقرر کر کے سوال ہوگا کہ اب اس کی کیا ضرورت ہے؟ زکوٰۃ کا ایک نظم بہر حال ضروری ہے۔

مودودی صاحب

زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج ارکان اسلام ہیں۔ جس شخص نے بھی کبھی قرآن مجید کو آنکھیں کھول کر پڑھا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے اور اُسے اُس دین کا ایک رُکن قرار دیتا ہے۔ جو ہر زمانے میں انبیاء کرام کا دین رہا ہے اس لئے اُس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا پہلی بنیادی غلطی ہے ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ انھوں نے سرکاری ڈیوٹی دے دی ہے۔ اس طرح وہ لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ٹیکس لے لیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اپنے نظام اوقات لازماً اس طرح مقرر کرنے ہوں گے تاکہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح اس کو اپنے ٹیکسیشن کے نظام میں زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں سے کوئی ٹیکس ان مقاصد کے لئے اُس طرح استعمال نہیں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور جس طرح اس کے تقسیم کرنے کا حکم ہے۔

Marfat.com

سوال

۱۔ مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنے کے لئے آج بیسویں صدی میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے گا جبکہ آج کی جنگ شمشیر و سنان سے یا میدان جنگ میں صف آرا ہو کر دست بدست نبرد آزمائی سے نہیں ہوتی بلکہ سائنسی ہتھیاروں۔ دناعوں strategy اور espionage سے لڑی جاتی ہے؟

(الف) آپ ایٹم بم۔ راکٹ، میزائل اور مشینی ایجادات وغیرہ کا سہارا لے کر اس سائنسی و ایٹمی دور میں جہاد کی تشریح کس طرح کریں گے؟

(ب) کیا چاند، مریخ و مشتری پر اترنے اور سیٹلائٹ چھوڑنے یا فضا میں راکٹ سے پرواز کرنے اور نت نئی ایجادات کرنے والے مجاہدین کے زمرے میں آ سکتے ہیں؟

(ج) انتظامی امور و ملکی نظام (Civil Administration) میں فوج کو کیا مقام دیا جا سکتا ہے؟ موجودہ دور کے فوجی انقلاب نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت اور افادیت بہت حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کیوں نہ فوج کو دور امن میں بٹھا کر کھلانے کے بجائے ہر فیلڈ میں قوم کی خدمت سپرد ہو؟

امینی صاحب

۱۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاد و قتال کے مفہوم میں باہمی فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ مغالطہ ہو رہا ہے۔ جہاد۔ ایمانیات و معتقدات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا۔ ہاتھ پاؤں سے اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اس کے لئے تدبیریں سوچنا غرض ہر امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمت کی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کرنا اور جب اس راہ میں جان کی بازی لگانے کا وقت آ جائے تو ۔۔۔ بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔

امام راغبؒ اصفہانی جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں۔

استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً و باطناً[۱]

دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری قوت و وسعت لگا دینا یہ دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس و شیطان)

---

[۱] مفردات امام راغبؒ اصفہانی

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم [۱]

"اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو۔"

جاھدوا المشرکین باانفسکم واموالکم والسنتکم [۲]

"مشرکین سے جہاد کرو جان ومال اور زبان کے ذریعہ"

مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے اور یہ جہاد ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم قیام وبقاء کی جدوجہد میں بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کر کے وہ عروج وبقاء کی منزلیں طے کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔

"اے لوگو، غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار اور رسوا کر دیتا ہے۔"

البتہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ قسم کی ساری جدوجہد فتنہ وفساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی وقومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں میں ہوتا ہے۔

حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للہ ۲ : ۱۹۲

یہاں تک کہ فتنہ وفساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے۔

رسول نے فرمایا۔

لتکون کلمة اللہ ھی العلیا (الحدیث) "تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے"۔

جن متعصب مورخوں نے جہاد کو وحشیت وبربریت کا انظاہر قرار دیا ہے وہ دراصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" انہوں نے حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے وہ محروم ہو گئے ہیں۔ [۳]

---

[۱] نسائی وابوداؤد۔ [۲] حوالہ بالا [۳] تاریخ عرب ص ۱۰۷

موجودہ دور میں وطنیت و قومیت کے نام پر بھی جذبۂ جہاد کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں جرمنی وغیرہ سے ایثار و قربانی کی عجیب و غریب مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن مذہبی جذبہ کی بیداری ان سب میں زیادہ مؤثر اور خاص نتائج کی حامل ہے کیونکہ وہ تین بنیادی عناصر جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں اس جذبہ میں زیادہ عمدگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ وہ تینوں یہ ہیں (۱) عقائد میں عمومیت (۲) فوائد میں عمومیت (۳) احساس میں عمومیت۔ اسی بنا پر فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلم فیصلہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت مذہبی جذبہ ہی کا اقتدار رہا ہے ماضی قریب میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

کبھی حیرت انگیز نظریہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے وہ بھی "معبود" کی قائمقامی حاصل کر لیتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام سطح سے کوئی اونچی چیز عوامی ضرورت کی ہو جیسا کہ موجودہ دور میں "کمیونزم تحریک" اسی انداز میں کام کر کے کامیابی حاصل کر رہی ہے۔

غرض مذہبی جذبہ بیدار ہونے سے جذبۂ جہاد خود بخود بیدار ہو کر اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے لگے گا۔ اور سائنسی ایجادات و ترقیات کو بڑی حد تک مفید کاموں کے لئے استعمال کرنے کے مواقع فراہم کرے گا۔

مذہبی جذبہ کے بارے میں ڈاکٹر "مرسیر" کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ:

"جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی حیثیت نہیں رکھتا ہے"۔ ؎۱

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ بے شک ہیں کہ وہ مجلس کی آرائش و مقصد برآری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن اس کی اصل نوعیت کے بارے میں ان کا یہ خیال تاریخ و فلسفۂ تاریخ کے مسلمہ حقائق سے انکار پر مبنی ہے

؎۱ فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲

Marfat.com

سوال

کیا اس دور میں اسلامی حکومت خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی و معاشرتی حقوق ادا نہ کرے گی۔ جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے سب سے تاریک ترین دور میں بھی عورت کو ایک مقام (Status) عطا کیا؟

(ا) کیا آج خواتین کو مردوں کے برابر اپنے ورثہ کا حصہ لینے کا حق دیا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا ان کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کرکے ملک و قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہوگی؟

(ج) فرض کیجیے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرت آراء سے وزارت و صدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑکر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رو سے نہیں مل سکتا جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے۔ یا نیدرلینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے۔

(د) سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں اور اب بیگم رعنا لیاقت علی خان نیدرلینڈ میں سفیر ہیں یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر ہیں اور اقوام متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں اور بھی مثالیں جیسے نورجہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو کہ Pride of Woman کہلاتی ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنؤ میں جنگ کی کمانڈ کی وغیرہ اس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل کر دیا ہے تو اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے؟

(ہ) کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر۔ وکلا۔ مجسٹریٹ۔ جج۔ فوجی افسر یا پائیلٹ وغیرہ بننے کی مطلق اجازت نہ ہوگی؟

Marfat.com

(۳) خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابل ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی، پانی پلایا اور حوصلے بلند کئے۔ تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری میں مقید رکھا جاتے گا؟

الٰہی صاحب

(۱) خواتین کا مسئلہ تقریباً ہر دور میں نازک رہا ہے اور جذبات کی ماری ہوئی دنیا نے اکثر اس کے ساتھ بے انصافی سے کام لیا ہے۔ ادھر مذہب کی بگڑی ہوئی شکلوں اور اس کے نمائندوں نے بھی اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔

یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کا نتیجہ کہ تقریباً ہر دور میں خواتین کی قسمت کا فیصلہ مردوں ہی کے ہاتھ میں رہا ہے اور وہی اپنے خود غرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق اس سے متعلق جملہ مسائل طے کرتے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا ردِ عمل ہے کہ اب وہ آزاد ہو کر اپنا اصلی مقام بھی چھوڑنے پر آمادہ ہے اور تمام اخلاقی و صنفی حدود و قیود سے آزاد ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے لیکن اس میں بھی اس کے رہنما مرد ہیں اور انہیں کی بے لگام عقل و ہوش کی موشگافیاں اور سرمستیاں ہیں۔

اصلی مقام کی تلاش میں ناکامی کے جو وجوہ و اسباب پہلے تھے وہی اب بھی موجود ہیں ایسی حالت میں کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر قیام و بقاء کی جدوجہد میں اصلی کردار نمایاں کر سکے گی۔ بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر موجودہ صورت حال کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو "ترقی معکوس" کے ذریعہ چھٹی صدی عیسوی کی مزدک ایرانی تحریک والی راہ نہ اختیار کر لی جائے۔ جس میں زن۔ زمین اور زر تینوں کو مشترک قرار دیا گیا تھا۔ [۱]

ہدایت الٰہی نے "خواتین" کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور جو ذمہ داریاں ان کے سپرد کی ہیں اس میں ان کی فطری ساخت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ مردوں کے خود غرضانہ جذبات

---

[۱] الملل والنحل جلد اول ص ۶۶

Marfat.com

کا یہ فطری نقشہ میں جو لکیریں مشترک تھیں ان میں دونوں کا یکساں لحاظ کیا ہے اور جو الگ الگ تھیں ان میں کچھ امتیاز سے کام لیا ہے اس بنار پر کچھ باتیں دونوں میں مشترک قرار پائیں اور کچھ دونوں کے لیئے الگ الگ مخصوص ہیں مگر زندگی کی تکمیل کے لئے دونوں کی یکساں ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

ان دونوں کی انفرادیت واشتراکیت کو ملحوظ رکھ کر موجودہ حالات وضروریات کے ماتحت معاشرتی زندگی کا "آمیزہ" تیار کرنے کی ضرورت ہے اسی کے ذریعہ صالح معاشرہ کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے اسلامی تاریخ نے خواتین کی مذہبی علمی سیاسی و عملی کارنامے محفوظ کر لئے ہیں موجودہ دور میں ان کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ اور کس طرح قیام وبقار کی جدوجہد میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی راہیں نکل سکتی ہیں؟ اسی طرح اخلاق ومعاش کا باہمی ربط جس قدر نازک ہے؟ اس کے پیش نظر معاشی میدان میں ان کے شرکت کی کونسی صورتیں مناسب ہو سکتی ہیں؟

ان سب امور پر غور وخوض کے لئے اہل فکر ونظر کیلئے "مجلس" کی ضرورت ہے تنہا ایک شخص کی رائے حجت نہ بن سکیگی موجودہ دور "ردعمل" کا دور ہے لازمی طور سے گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ اس بنار پر اس دور کی ساری چیزیں نہ حجت بن سکتی ہیں اور نہ ہی وہ "متوازن" قرار پا سکتی ہیں اسی طرح ہر شعبہ زندگی میں ان کے نظر آنے سے یہ استدلال درست ہو سکتا ہے۔ کہ بہمہ وجوہ وہ مردوں کے مساوی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف علم تشریح فزیالوجی سائکالوجی وغیرہ علوم وتحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فطری طور پر مرد وعورت میں کافی فرق موجود ہے۔ مخلوط تعلیم کے مضر اثرات کا اعتراف اب مسجد ومدرسہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہر سنجیدہ ٹھوس قسم کا مفکر معترف اور بیزار ہے۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنیکی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اسکا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اسکو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام

Marfat.com

کے اصولوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں لیکن دونوں کا دائرۂ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرۂ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو گی جسکی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دوہرا بار ڈالا جائیگا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لازماً پہلی صورت ہی رونما ہوگی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقلمندی نہیں ہے۔

اسلام میں اسکے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو۔ اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے۔ نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے ——— کہ عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر و نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ اسکے مقابلہ میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصہ کیسے دلایا جا سکتا ہے۔

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو اسکو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو۔ مغربی ممالک میں اسکے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کیلئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں۔ لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے تو اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے مرد کے دائرۂ عمل میں اگر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اسلئے کہ وہ ان کاموں کیلئے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کیلئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل

Marfat.com

مرد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر ابھارنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دُہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرہ کو بھی۔ اس کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرہ عمل میں جس کے لئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں گنتی کی چند نابغہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی؟ ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں۔ بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی مردوں کی نسبت ۵۰ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوائی جانی چاہیئے لیکن چند شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرہ عمل میں کام کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک تیار ہو سکیں اور ان کی تعلیم بعینہٖ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو۔ دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آ چکے ہیں۔ جو انسانیت کے لیے بدترین ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً صرف امریکہ میں ۱۲ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی سکولوں میں پڑھتی ہیں مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ نکلتی (گو ابھی یہ شکل ہمارے ہاں رونما نہیں ہوئی۔ لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے بھی آنے شروع ہو گئے ہیں) تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہوں مثلاً زنانہ ہسپتال اور زنانہ تعلیم گاہیں وغیرہ۔

○

سوال

کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی کو سختی سے روکے گی جیسے کہ ان کی زیبائش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرنے اور فیشن کا رجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سینٹ سے معطر لباس اور غازہ و سرخی سے مزین اپنے ہر خدوخال و نشیب و فراز کی نمائش بر سر عام کرتی ہیں اور آجکل نوجوان لڑکے بھی ہالی وڈ فلموں سے متاثر ہو کر ٹیڈی بوائے بن رہے ہیں تو کیا حکومت قانون (Legislation) کے ذریعے ہر مسلم و غیر مسلم لڑکے و لڑکی کے آزادانہ رجحان کو روکے گی؟ خلاف ورزی پر سزا دیگی؟ والدین و سرپرستوں کو جرمانہ کیا جا سکیگا؟ تو اس طرح کیا انکی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟

(الف) کیا حکومت گرلز گائیڈ۔ اپوا (APWA) یا دیگر وائی ایم سی اے (Y.M.C.A) اور وائی ڈبلیو سی اے (Y.W.C.A.) جیسے ادارے اسلامی نظام میں گوارا کئے جا سکتے ہیں؟

(ب) کیا خواتین خواہ اسلامی عدلیہ سے ہی سہی خود طلاق لینے کی مجاز ہو سکیں گے اور مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہو گی؟

(ج) خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے (Civil Marriage) کرنیکا حق حاصل ہو سکتا ہے؟ ———— (د) کیا خواتین کو یوتھ فیسٹیول کھیلوں، نمائش، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلہ حسن میں شرکت یا Air Hostess وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی؟

(ر) ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنیوالے ادارے مثلاً سینما، کلبیں، ٹیلی ویژن۔ ریڈیو پر فحش گانے و عریاں رسائل و لٹریچر موسیقی، ناچ و رنگ کی ثقافتی محفلیں وغیرہ کو بند کر دیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہو گا؟

امینی صاحب

۱۳۔ ایسی ہر قسم کی آزادی و پابندی ناقابل برداشت ہو گی جس میں خواتین معاشرہ پر بار نہیں یا بے قابو ہو کر اخلاق و شرافت کے گرانقدر اصول پائمال کریں۔

موجودہ دور کے نئے نئے فیشن حسن اور خدوخال کی نمائش وغیرہ جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہیں اور وہ تحریک و تنظیم جو ان چیزوں کو تقویت پہنچانے والی اور فراغ دینے والی ہو صالح معاشرہ ان

Marfat.com

کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اسلامی حکومت بتدریج مختلف تدبیروں کے ذریعہ اُن کو ختم کرے گی اور اس سے اسلامی شہری آزادی میں فرق نہ آئے گا۔

معقول وجوہ کی بناپر خواتین عدالت سے طلاق حاصل کر سکتی ہیں۔

مودودی صاحب

اسلام معاشرہ کی اصلاح وتربیت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا تعلیم نشرو اشاعت اور رائے عام کا دباؤ اسکے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیت رکھتے ہیں ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو وہ قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامل نہ کریگا عورتوں کی عریانی اور بےحیائی فی الواقع ایک بہت بڑی بیماری ہے جسے کوئی سچی اسلامی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری — تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی رہ جائے تو یقیناً اسکو از روئے قانون روکنا پڑیگا۔ اسکا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگنا ہے تو چوریوں کو پکڑنا اور جیب کتروں کو سزا دینا بھی شہری آزادی پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ اجتماعی زندگی لازماً افراد پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے۔ افراد کو اس کیلئے آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی برائیوں سے اپنے معاشرہ کو برباد کریں۔

گرلز گائیڈ (Girl Guides) کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اپوا APWA قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے۔ YWCA عیسائی عورتوں کیلئے رہ سکتی ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اس میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی مسلمان عورتیں چاہیں تو (YWMA) بنا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ فسخ نکاح (Nullification) اور تفریق (Judicial Separation) کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ان میں سے کوئی ڈگری حاصل کرنے کی مجاز ہو لیکن طلاق (Divorce) کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کو اس اختیار سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہد رسالت سے لیکر اس صدی

Marfat.com

تک اس تصور سے ناآشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کر لیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچائیت اس میں دخل دے۔ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنیوالوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانون طلاق کا پس منظر (Back ground) کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے برے نتائج رونما ہوئے ہیں ہمارے ہاں جب گھروں کے سکینڈل نکل کر بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا۔ کہ خدا کے قوانین کی نافرمانی کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں از روئے قانون پابندی عائد کرنیکا یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک ہی عورت اگر منکوحہ بیوی کیساتھ داشتہ کے طور پر رکھی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ قابل برداشت ہے بلکہ اسکے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنیکی بھی فکر کی جاتی ہے (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ جرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کیلئے ہیں حرام کیلئے نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ابجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ یہ اقدار (Values) اختیار کر سکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب و غریب فلسفہ برحق ہو سکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حاصل اسکے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرل فرینڈز اور داشتائیں (Mistresses) فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہو جائیگی۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدوخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورت حال کے تصور سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔

سول میرج کا سوال ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کیساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر پیدا ہوتا ہے یا تو مشرک عورت سے شادی کرنیکے معاملہ میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کیلئے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اسکے عشق میں مبتلا ہو کر اس اقرار کے ساتھ شادی کرے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہی ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں ایسی ایک میرج کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا کام کیسے ہے کہ مسلمانوں

Marfat.com

کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول (Youth Festival) اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص و سرود اور مقابلہ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس Air Hostess بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی کوشش کرے تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی حکومت کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سارے کام کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سینما فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود خرابی نہیں خرابی اُنکے اس استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کرے اور اخلاقی فساد کیلئے استعمال ہونے کا دروازہ بند کردے۔

Marfat.com

Marfat.com

دعوتی خطوط

Marfat.com

۲۰ر جولائی ۱۹۹۱ء

برادر محترم محمد موسیٰ بھٹو صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا خط مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۹۱ء ملا! اس کے ساتھ ہی آپ کی نئی کتاب "معاشرے کی اسلامی تشکیل اور تصوّف و احسان" موصول ہوئی۔ اس عنایت کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

سندھی زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کی کوششیں بڑی قابلِ قدر ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے نہایت مسرت بخش ہے کہ آپ نے ہماری متعدد کتابوں کو سندھی زبان میں منتقل کر کے شائع فرمایا۔ مزید یہ کہ آپ ہماری بقیہ کتابوں کے سندھی ترجمے بھی شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم کو تقویت پہنچائے۔ اور آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

مکتوب ہذا کے ساتھ ہماری چند نئی کتابیں آپ کی خدمت میں ہدیتاً ارسال کی جارہی ہیں۔ فہرست مطبوعات بھی منسلک ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ جواباً ہمیں مطلع فرمائیں کہ کون کون سی کتابیں آپ کے پاس موجود نہیں ہیں۔ انشاءاللہ اگلی ڈاک سے آپ کی مطلوبہ کتابیں آپ کو ہدیتاً ارسال کر دی جائیں گی۔ امید ہے آپ بہمہ وجوہ بخیر و عافیت ہوں گے۔

والسلام

وحیدالدین خان[1]

مدیر ماہنامہ الرسالہ۔ نئی دہلی

---

[1] مولانا وحیدالدین خان صاحب کو جدید دور کے اسلامی مفکروں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ ان کی کتابوں سے ہزاروں لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اب تک دریافت ہونے والے سائنسی حقائق سے اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کی مسلّمہ تعلیمات کو ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا کام ایسا ہے کہ عالمِ اسلام میں اس سے بہتر اور مؤثر کام کسی اسلامی مفکر نے نہیں کیا ہے۔ ان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے جدید اسلامی مصنّفوں کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۱۴/اگست ۱۹۹۱ء

مکرمی جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

آپ کی مرسلہ کتاب موصول ہوئی۔ دل خوش ہوا۔ کتاب تصوف واحسان کے خزانہ سے معمور ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے مسرور رہوں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔ اس بات سے نہایت مسرت ہے کہ کتاب ابتدا تا انتہا مجدد زمانہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی اصلاحات سے آراستہ ہے۔ تقبل اللہ تعالیٰ بفضلہ کتابکم ھٰذا۔

طالب دعا

حکیم محمد اختر[1] عفی اللہ عنہ

(حاشیہ گذشتہ)
طریق کار سے ہٹ کر اسلام کے نصب العینی کام میں تعلق باللہ کی اہمیت کو بہت زیادہ اُجاگر کیا ہے اور مسلم معاشرہ تعمیر سیرت اور تعمیر کردار کے جس بحران کا شکار ہے انھوں نے اس مسئلہ کو اپنی تحریروں کی بنیاد بنایا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں اگر مولانا سے دو فرو گزاشتیں نہ ہوئی ہوتیں تو ان کا کام غیر معمولی نتائج کا حامل ہوتا۔ ایک تو یہ کہ تعلق باللہ، اخلاقی دایمانی زندگی، تعمیر سیرت و تعمیر کردار اور تزکیہ کی اہمیت ثابت کرتے کرتے وہ اسلامی تعلیمات کی اہمیت کے سلسلے میں توازن قائم نہ رکھ سکے۔ دوم یہ کہ وہ مسلمانوں کے دوسرے طبقات کے ساتھ محاذ آرائی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ داعی کا کام محاذ آرائی نہیں ہوتا۔ وہ سب کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے اور وہ لوگوں پر اپنے موقف کو ہر صورت میں مسلط کرنا نہیں چاہتا وہ تو جذبے اور درد دل کے ساتھ اپنی بات پیش کرتا ہے۔

---

[1] حضرت حکیم محمد اختر صاحب حضرت قبلہ مولانا ابرار الحق صاحب کے خلیفہ مجاز ہیں۔ وہ کئی اہم اور قیمتی کتابوں کے مصنف ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے روحانی فیض سے اندرون ملک اور بیرون ملک ہزارہا لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ راقم پر ان کی کرم فرمائی اس عاجز کے لیے سعادت سے کم نہیں۔

Marfat.com

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ - ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء

مکرمی جناب موسیٰ بھٹو صاحب زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی

آپ کی کتابوں سے مجھے انتہائی خوشی ہوتی ہے کہ آپ نے مخلوقِ خدا کو خدائے تعالیٰ کی محبت اور باطن کی اصلاح اور سوز و ساز کی طرف خوب توجہ دلائی ہے اور محض لٹریچر لکھنے والے مفکرینِ اسلام کی صحیح حقیقت واضح کر دی ہے کہ یہ لوگ تعلق مع اللہ کی دولت سے خود بھی محروم ہیں اور خلق کو بھی صرف الفاظ کی ملمع سازی میں گم کردۂ راہ کرتے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنے رسالہ "داعی اور دعوت کا کام" صفحہ نمبر ۱ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ "جب زندگی حقیقی محبوب کے سوز و ساز سے خالی ہو جاتی ہے تو باطنی زندگی میں غیر معمولی خلا واقع ہو جاتا ہے۔" اور آگے تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ دین کے گہرے حقایق کی روشنی کے بجائے ظاہری الفاظ کو روشنی سمجھ کر اس روشنی کی مدد سے شیاطینِ انس و جن کے گھٹا ٹوپ تاریک راستوں پر چلنے لگتے ہیں۔ اور آگے ہے کہ "روح اسلام مفقود ہو جاتی ہے۔"

رسالہ جدید دور میں غلبۂ دین صفحہ ۳۲ پر یہ جملہ نہایت بیش بہا ہے کہ "یہ اللہ والے انسانیت کے لیے سرمایۂ حیات اور ممکناتِ خیر کو وجود میں لانے والے ہیں۔" "رسالہ اسلام اور ہمارے کچھ فکری مسائل" صفحہ ۲۳ پر کیا خوب آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان مفکرین نے اسلام کو متقی علماء کی صحبت کے ذریعہ سمجھنے کی بجائے لٹریچر کے ذریعہ سمجھا، آگے ہے کہ چونکہ ہمارے جدید مفکرین اپنی ذہانتوں پر اعتماد کی وجہ سے مزکیوں کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہو سکے ان کا لٹریچر بھی انھیں متاثر نہ کر سکا الخ۔ احقر کلی طور پر آپ کی کتابوں کو تو نہ دیکھ سکا لیکن جستہ جستہ جہاں نظر پڑی وہ شریعت اور طریقت کے حسین امتزاج کا مظہر ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ آپ کا تعلق کسی اللہ والے سے معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ اہل اللہ کے فیوض و برکات کے وسیلے سے تمام اہلِ فرقِ باطلہ کے اثرات سے آپ کے علم و عمل اور قلم کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔ والسلام

حکیم محمد اختر۔ گلشن اقبال نمبر ۲۔ کراچی

Marfat.com

برادرم موسیٰ بھٹو صاحب
السلام علیکم

آپ سے حیدرآباد میں دو سال کی معیت کے دوران جو تجربہ ہوا وہ میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ آپ کے اندر میں نے اللہ کے دین کے لیے فنائیت اور اس کو زندگی کا مقصد قرار دینے اور اس راہ میں جدوجہد اور اللہ کے بندوں کی بھلائی کا جو جذبہ او فکر دیکھی، وہ میرے لیے ایک نئی بات تھی۔ اب تک کی زندگی میں مجھے اس طرح کا مشاہدہ نہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس جذبے کو قائم و دائم رکھے۔ ڈیڑھ دو سال تک آپ کے ساتھ گزارنے کے بعد علیحدگی کا مجھے بھی سخت افسوس ہے۔ آپ سے روزانہ جو ملاقاتیں ہوتی تھیں، ان سے محرومی ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا کچھ اس طرح پیدا کی ہے کہ یہاں کا ساتھ ہمیشہ کا نہیں۔ یہاں جدائی تو ہونی ہی ہے۔ اللہ سے دعا کریں کہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں ساتھ ہو۔ بچے بھی آپ کو یاد کرتے ہیں۔

والسلام
سرفراز احمد خان[1]

---

[1] سرفراز احمد خان پاکستان کے ان مثالی مسلمان افسروں میں سے ایک ہیں، جن کی تقویٰ، دیانتداری، فرض شناسی، اسلام کے غلبہ کے لیے دردمندی اور فکرمندی قابلِ رشک ہے۔ وہ ذاتی اور گھریلو زندگی میں بھی اسلام کو قائم کرنے کے معاملے میں بے حد فعال اور متحرک ہیں۔ ان کے تین لڑکے حفظ قرآن کر چکے ہیں۔ وہ بچوں کی تربیت کے لیے خصوصی وقت نکالتے ہیں۔ سادگی، درویشی، قناعت، استغنیٰ ان کے مزاج کا حصہ ہیں۔ صحیح اسلامی تصوف جس قسم کا انسان تیار کرنا چاہتا ہے، سرفراز احمد خان صاحب اس کی زندہ مثال ہیں۔ اس دور میں اہم سرکاری ذمہ داری پر رہتے ہوتے دیانتداری، احساس ذمہ داری (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۱۵ر دسمبر ۱۹۹۱ء

برادر محترم جناب سرفراز احمد خان صاحب

السّلام علیکم .... مزاج شریف

آپ کراچی تبادلہ ہو کر آئے۔ آپ سے کما حقہ صحبت حاصل ہی نہ ہو سکی کہ آپ کا کراچی سے تبادلہ ہو گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس نئے تقرر کو ملک و قوم کے لیے مفید اور بہتر بنائے۔

اس وقت ہم اخلاقی اعتبار سے جس بحران سے دوچار ہیں، اور دینی اقدار جس تیزی سے رخصت ہو رہی ہیں ان حالات میں معاشرے میں اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے جتنا بھی کام کیا جائے وہ کم ہے۔ یہی تو وہ حالات ہیں جس میں تھوڑا سا کام بھی عند اللہ بہت بڑا شمار ہو گا۔ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) اور سفارش اور دباؤ کے علی الرغم اپنے فرائض کیسے ادا کیے جائیں۔ یہ سلیقہ سرفراز احمد خان صاحب سے بہتر شاید ہی کسی دوسری شخصیت سے سیکھا جاسکتا ہو۔ موصوف چار پانچ سال پہلے حیدرآباد میں کسٹم کلکٹر تھے، ان سے ایک آدھ ملاقات میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ ہزاروں لاکھوں انسانوں میں ایک بالکل مختلف اور منفرد انسان ہیں۔ اس کے بعد جب ان سے قربت ہوئی تو بس پھر تو قربت ہی ہوتی چلی گئی۔ وہ دعوتی کام کے لیے بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ قیام حیدرآباد کے دوران انھوں نے سندھ میں دعوتی اور نظریاتی کام کے لیے غیر معمولی تحرک کا مظاہرہ کیا۔

موصوف آج کل نیپا کے سربراہ ہیں۔ ان کو قریب سے دیکھنے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ دور میں جس کو سرکاری افسروں میں اہل اللہ دیکھنا ہو، وہ سرفراز احمد خان کو دیکھ سکتا ہے۔

Marfat.com

کے لیے ضرورت ہے کہ ان تھک کام کیا جائے، بالکل مجنون ہو کر۔ ہمارے ارد گرد لوگ دنیا و آخرت دونوں کی تباہی اور جہنم کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔ ہمیں اللہ کے بندوں کی حالتِ زار پر رحم کھاتے ہوئے انھیں اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے شب و روز ایک کر دینے چاہییں۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے یہ زندگی اتنی مختصر ہے کہ بلبلے کی طرح۔ شب و روز برف کی طرح پگھلتے جا رہے ہیں زندگی کے ان لمحات کو اپنے لیے اور اللہ کے بندوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے ازحد متفکر ہونے کی ضرورت ہے۔

آپ تو ماشاءاللہ اس معاملے میں بہت متفکر، حسّاس اور متحرک ہیں۔ اور اپنی ذمہ داریاں باحسن ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ جیسے عملی انسان کو دیکھ کر اپنی زندگی کے فضول ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اپنے بچوں کی تربیت کے لیئے وقت نکالنا اور اہم سرکاری منصب کی لاج رکھنا اس مقصد کے لیے بڑے سے بڑے خطرات کا مقابلہ کرنا نیز درسِ قرآن کے سلسلے کو قائم رکھنا، آپ کا یہ کام ہم جیسے افراد کے لیے مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

مجھے تو آپ کے کام اور جذبے کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ آپ کے اندر کہیں سے مولانا جان محمد بھٹو مرحوم کی چنگاری داخل ہو گئی ہے۔ مولانا جان محمد بھٹو کی زندگی دعوت اسلامی کے لیے اتنی عظیم الشان جدوجہد سے عبارت زندگی ہے کہ وہ مہینہ کے ۲۵ سے ۲۸ دن تک دعوتی دوروں میں رہتے تھے۔ انھیں لوگوں کو اللہ کے دین کی بات پہنچانے کے سوا اور کوئی فکر ہی لاحق نہیں تھی۔ وہ ۳۰ سال تک اس طرح کام کرتے رہے۔ لیکن سندھ میں ان کی جدوجہد کے عملاً مؤثر اثرات ظاہر نہ ہو سکے۔ راقم نے اس کے اسباب پر کافی غور و فکر کیا ہے۔ اس کا ایک بنیادی اور اہم سبب یہ ہے کہ

Marfat.com

انھوں نے اپنی دعوت کے لیئے درسِ قرآن کو تو بنیاد بنایا لیکن ذکر و فکر کو وہ اہمیت نہیں دی جو قرآن اسے دیتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ (اے ایمان والو، ایسا نہ ہو کہ تمھیں تمھارا مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل کر دیں)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۔ ذکر کو دعوتی اور تربیتی کاموں میں مطلوبہ اہمیت نہ دینے کے بعد افراد کے مزاج کا وہ سانچہ نہیں بننے پاتا کہ وہ صبغۃ اللہ کا نمونہ بن جائیں۔ درسِ قرآن یا قرآن کا مطالعہ مختصر وقت کے لیے ہوتا ہے باقی وقت میں نفس اور شیطان کے حملوں سے بچنے کے لیے ذکر کا سہارا لینا انتہائی ناگزیر ہے۔ اس لیے حدیثِ رسولؐ میں فرمایا گیا ہے کہ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی سی ہے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال مُردہ کی سی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان دل پر ڈیرا جمائے ہوئے ہے، انسان جب ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے، لیکن جوں ہی وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔

ذکر کی اہمیت انسانی زندگی میں اتنی عظیم ہے کہ اس کے بغیر دینی تربیت کا کوئی نظام نہ تو پائیدار ہو سکتا ہے اور نہ ہی زیادہ عرصے تک کارآمد۔ قرآن میں سیکڑوں مقامات پر ذکر کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور نماز جو ساری عبادتوں کی جان ہے اس کا مقصد بھی اللہ کے ذکر کا استحضار بیان کیا گیا ہے۔ (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ)

اس وقت مجھے، آپ کو اور بہت سارے دینداروں کو اپنے بچوں اور حلقہ احباب کی تربیت کا مسئلہ بہت دشوار نظر آتا ہے۔ ہم بچوں اور دوستوں پر جتنی زیادہ محنت کرتے ہیں نتیجہ اتنا ہی زیادہ مختلف ظاہر ہوتا ہے

Marfat.com

ظاہری طور پر کچھ نہ کچھ تربیت ہو جاتی ہے۔ لیکن اخلاق و کردار میں حسن پیدا ہونے نہیں پاتا۔ اور دین کو مقصدِ زندگی بنانے پر آمادگی نہیں پائی جاتی۔ اصل میں اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور حلقۂ احباب ذکر کی لذتوں اور نعمتوں سے واقف نہیں۔ اگر انھیں ذکر کی جنت نما لذتوں سے آگاہی ہو جائے تو وہ اس نعمت پر ہزار دنیائیں قربان کر سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے جدید اسلامی فکر بھی ذکر کی لذتوں سے آشنا نہیں، اس لیے اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہم درسِ قرآن اور مطالعہ قرآن کے ساتھ ذکر و فکر کے حلقے متعارف کرائیں تو یقین جانیں اس سے اپنے بچوں، حلقۂ احباب اور معاشرے کی تربیت میں غیر معمولی مدد ملے گی۔ اس کام کا آغاز سب سے پہلے گھر سے کرنا چاہیے۔ اس سے گھر کی فضا جنت نما بن جاتی ہے اور بہت زیادہ وعظ و نصیحت کیے بغیر دل میں ایمان کی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے اور شریعت کے ساتھ محبت ہونے لگتی ہے۔

راقم نے آپ کے سامنے یہ تجویز اس لیے پیش کی ہے کہ آپ باعمل اور متحرک انسان ہیں اچھی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کا فن آپ کو آتا ہے۔ آپ اس پر بہت بہتر طور پر عمل کر سکتے ہیں اور چند ماہ کے اندر ہی اس کے انقلابی اثرات بچوں کی زندگی میں محسوس کریں گے۔ آپ کی دیکھا دیکھی ہم جیسے بے عمل افراد کے لیے بھی گھر میں اس طرح کے نظام کو متشکل کرنے میں آسانی ہو گی۔

والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

۲۶ر جنوری ۱۹۹۲ء

برادرم موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم

۵ دسمبر اور ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء والے دونوں خطوط مل گئے تھے۔ روایتی سستی جواب میں وجہ تاخیر بنی۔ جس کے لیے ہمیشہ کی طرح معذرت خواہ ہوں۔

۵ر دسمبر ۱۹۹۱ء والے خط میں مطالعۂ قرآن اور درسِ قرآن کے ساتھ ساتھ بہت احسن انداز میں ذکر و فکر کا اہتمام کرنے کی جو تجویز آپ نے پیش کی ہے اُس کے بارے میں مجھے آپ سے مکمل اتفاق ہے۔ بحمدللہ امکانی حد تک کوشش کرتا ہوں اور میری بیوی بھی اس پر عمل کرتی ہیں۔ قلبی ذکر تو بلاشک وشبہ دل کو اللہ کی یاد سے آباد کرنے اور بہت ساری اندرونی تبدیلیاں لانے میں اتنا اہم ہے کہ کسی حالت میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ صبح کی نماز کے بعد بچّوں کے ساتھ روزانہ درسِ قرآن کے ساتھ کسی کسی دن اجتماعی ذکرِ قلبی کی نشست بھی ہو جاتی ہے۔

ہمارے چاروں طرف طاغوتی طاقتوں کا اتنا زور ہے کہ بچوں کو ان کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ اپنی سی جتنی کوشش ہوسکتی ہے الحمدللہ کر رہے ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ اثرات نظر آتے ہیں۔ اور جب زمانے کی رفتار اور بہت بڑی اکثریت کا حال دیکھتے ہیں تو جہاں اُن کی حالت سے خوف آتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اتنا کچھ بھی بچا ہوا ہے۔ لیکن کبھی کبھی افسوس بھی ہوتا ہے کہ نتائج اتنے ہی مؤثر انداز میں سامنے نظر نہیں آتے جتنی کی توقع ہے۔ بہرحال یہ ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ امید ہے انشاءاللہ بالآخر حالات پوری طرح ٹھیک ہو ہی جائیں۔ کیوں کہ پورا معاشرہ اسی قسم کی صورت حال سے دوچار ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا وعدہ

Marfat.com

موجود ہے کہ پوری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین بالفعل قائم ہوگا (انشاءاللہ)

کراچی سے لاہور تبادلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اچھا موقع فراہم کردیا ہے کہ بچوں کی تربیت پر بھرپور توجہ دے سکوں۔ نیپا میں سرکاری افسر تربیت کے لیے آتے ہیں۔ اسلام کے متعلق ایک سلیبس مرتب کروا کے اس پر عمل درآمد شروع کروادیا ہے۔ جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے اتنا ہی اس کا پیغام معاشرہ کے اس بگڑے ہوئے طبقے (نوکرشاہی) تک پہنچانے کی کوشش کررہا ہوں۔ شاید کہ یہ توشۂ آخرت بن سکے۔

نئی جگہ پر پڑھنے پڑھانے کا کام ہے۔ پہلے کی طرح کوئی کھنچاؤ اور دباؤ نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کسٹم کے محکمہ سے باہر آکر سکون سے وقت گزر رہا ہے۔

آپ سے ملاقات کو کافی دن ہوگئے ہیں۔ لاہور کا پروگرام بنائیں تاکہ آپ کی صحبت نصیب ہوسکے۔ آپ کی دعاؤں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ سب دوستوں اور احباب کو میرا سلام پہنچادیں۔

والسلام

آپ کا مخلص

سرفراز احمد خان

——— چیف انسٹرکٹر نیپا۔ شاہراہ قائداعظم۔ لاہور ———

۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب ڈاکٹر تقی الدین[۱] صاحب..... السلام علیکم

مزاج شریف..... آپ کی خدمت میں کچھ کتابیں ارسال کی تھیں۔ ان میں

---

[۱] ڈاکٹر تقی الدین صاحب مغربی جرمنی سے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی ہیں۔ وہ وہاں کی یونیورسٹی

Marfat.com

ایک کتاب "داعی اور دعوت کا کام چند بنیادی مباحث" بھی شامل تھی۔ کیا یہ کتاب آپ کو مل سکی ہے۔ احتیاطاً میں اس کی مزید کاپی ارسال کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ آپ راقم کی کتابوں پر ایک نظر ڈالنے کے لیے وقت ضرور نکالیں گے۔

آپ کی مصروفیات شاید اس نوعیت کی ہیں کہ خط کے جواب کے لیے وقت نکالنا مشکل ہے۔ آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں امریکہ وغیرہ کا دورہ بھی کرتے ہوں گے، اور خود سعودی عرب میں بھی پاکستانی احباب کا یقیناً ایک حلقہ ہوگا۔ اگر ممکن ہو سکے تو آپ راقم کو ان میں سے علمی مزاج یا مطالعہ کا شوق رکھنے والے اصحاب کے پتے ارسال فرمادیں۔

ضرورت ہے کہ دورِ جدید میں دین کی فکر کو طاقت ور انداز سے روحانیت

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) ہیں کچھ وقت استاد کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ وہیں اُن کا اخوان المسلمون سے تعلق قائم ہوگیا۔ پاکستان آنے کے بعد وہ ایک کمپنی میں مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اسی عرصہ میں ان کو شوق دامن گیر ہوا کہ درس نظامیہ کی تعلیم مکمل کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے ملازمت کے ساتھ ساتھ جامعہ فاروقیہ کراچی سے درس نظامی کی تکمیل بھی کرلی، اور باقاعدہ سند حاصل کرلی۔ اسی دوران ان کے اندر اپنی اصلاح اور تزکیہ کا اضطراب پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی کے ساتھ باقاعدہ بیعت ہوگئے۔ ڈاکٹر محمد عبدالحی کے انتقال کے بعد وہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے بیعت ہوئے۔

وہ کچھ وقت تنظیم اسلامی پاکستان کے ساتھ بھی وابستہ رہے۔ اس وقت ڈاکٹر تقی الدین صاحب سعودی عرب کی ایک کمپنی میں اہم عہدے پر فائز ہیں۔

Marfat.com

دعوت اور انقلاب کے امتزاج سے پیش کیا جائے اور پھر اس فکر کو پڑھے پڑھانے والے حلقوں تک پہنچایا جائے۔ آپ کی فکری لائین اور اللہ کے فضل سے راقم نے یہ کام ایک حد تک شروع کیا ہے۔ اس میں آپ کے مزید تعاون کی ضرورت ہے آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں جب تک عالمی سطح پر ہم فکر دوستوں اور ساتھیوں کا حلقہ پیدا نہ ہو تب تک کوئی بھی فکر عملی نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔

اس کے ساتھ ساتھ سندھ کے مخصوص حالات کے پیش نظر یہاں بھی بڑے پیمانے پر دعوتی کام کی ضرورت ہے۔ بہر حال آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ کتابوں کی (نئی کتاب سمیت) وصولی کی رسید ارسال فرمائیں گے۔

والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

---

۲۰ ستمبر ۱۹۹۱ء

برادر مکرم و محترم جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ آپ دعوۃ اکیڈمی کے لیے دور جدید میں "احیائے اسلام" کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں آپ کے لیے یہ کتاب لکھنا کوئی مشکل کام نہیں اس لیے کہ اس سلسلے میں آپ کی مختلف کتابوں میں پہلے سے مواد موجود ہے۔

اس کتاب کے قارئین ملک کے عام تعلیم یافتہ حضرات ہوں گے۔ جو ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کتاب کے قارئین کی نظر میں احیائے اسلام کا ایک مکمل اور جامع تصور سامنے آجائے

Marfat.com

اور وہ دنیائے اسلام میں موجود دینی تحریکات کا ان کے صحیح پس منظر میں جائزہ بھی لے سکیں لیکن اس کے لیے کسی تحریک یا شخصیت کا نام لے کر تنقیدی جائزہ لینے کے بجائے افکار کا تنقیدی جائزہ لینا کافی ہو گا۔

امید ہے کہ آپ اپنی پہلی فرصت میں اس طرف توجہ دیں گے۔

والسلام۔ نیازمند

محمود احمد غازی[1]

---

[1] محمود احمد غازی صاحب بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کی دعوت اکیڈمی کے سربراہ ہیں۔ غازی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت جن صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ از حد قابل رشک ہیں۔ وہ حافظ قرآن ہیں۔ عالم دین ہیں انگریزی اور عربی کے ماہر ہیں، فرانسیسی زبان جانتے ہیں۔ سب سے بڑھکر صاحب روحانیت ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی صحبتوں سے متمتع ہیں، وہ اچھے مقرر ہیں، بہترین منتظم ہیں۔ اچھے پلانر ہیں۔ ان کے قریب آنے کے بعد فرد دور ہونے کی بجائے قریب ہی آنا چاہتا ہے۔ یہ ان کی بڑی صفت ہے جو آج کے دور میں مفقود ہو گئی ہے علم، دانشوری، افسری زبانوں میں مہارت اور صلاحیت تو بہت سے لوگوں کو حاصل ہے لیکن اس دور میں اچھے انسان اور اخلاق حسنہ کے صاحب ہونے کی صلاحیت بہت کم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی غازی صاحب کو بہت نوازا ہے۔

غازی صاحب جیسے لوگوں کو ملک کے اہم اداروں میں خدمت سرانجام دیتے ہوئے دیکھ کر دل سے از خود یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ان کو ہر قسم کی سازشوں اور شرارتوں سے بچائے۔ آمین۔

Marfat.com

مورخہ ۲۹ر جولائی سنہ ۱۹۹۱ء

جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب۔

سلام مسنون، امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

گرامی نامہ مورخہ ۲۲ر جولائی ۱۹۹۱ء آج صبح موصول ہوا ممنون ہوں۔ ایک عرصہ دراز کے بعد آپ سے رابطہ کی شکل پیدا ہوئی۔ آپ نے جن مطبوعات کا ذکر کیا ہے وہ البتہ ابھی نہیں ملیں۔ یہ بڑا اچھا ہو گا کہ ہم دونوں اداروں کے درمیان تبادلۂ مطبوعات کا معاہدہ ہو جاتے۔ جو بھی ہم شایع کریں وہ آپ کے پاس روانہ کر دیں اور آپ جو شایع کریں وہ ہمارے پاس روانہ کر دیا کریں۔ آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ہر طرح آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

ظفر اسحاق انصاری[1]

ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

---

[1] ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کے فرزند ہیں۔ وہ زیادہ عرصے تک پاکستان سے باہر خدمات سر انجام دیتے رہے ہیں۔ دو چار سال سے وہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ وہ جہاں دانشور ہیں وہاں ایک اچھے مسلمان بھی ہیں۔

Marfat.com

۲۶-۱۰-۱۹۹۱ء

مکرم و محترم جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ جناب کی ارسال فرمودہ گرانبھا کتاب۔ "داعی اور دعوت کا کام" موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ اجراً جزیلاً۔

میں نے آج دیباچہ پڑھا۔ الحمدللہ تعالیٰ آپ نے ایک اہم اور بنیادی دینی بحث پر بہت عمدگی سے تحریر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

میں آپ کا ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصدِ عالیہ میں فوز و کامرانی سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

والسلام مع الاکرام

عاجز دعاگو

ؔ غازی احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم محمد موسیٰ بھٹو صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کتابیں بھیجتے رہتے ہیں، میں ان کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ آپ جس ماحول اور جن حالات میں دین کا کام کر رہے ہیں اس ماحول میں آپ کی محنت اور کاوش کو ازبس ضروری خیال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو دین کی خدمت کے لیے صحت اور صلاحیت کی نعمت سے نوازتا رہے۔ آمین۔

میری طرف سے کسی کتاب کی رسید نہ آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ

ؔ "من الظلمات الی النور" کتاب کے مصنف۔

Marfat.com

کی کتابیں بیکار پڑی رہتی ہیں میں خود بھی مطالعہ کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی مطالعہ کے لیے دیتا ہوں چوں کہ قلم کے ذریعے جہاد کرنے والے بہت سے باصلاحیت لوگ موجود ہیں اس لیے میں نے جہاد بالقلم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ چوں کہ امت میں ایسے افراد کی کمی ہے جو تعلیم کے ذریعے قرآن حکیم کی دعوت عوام تک پہنچائیں۔ اس لیے میں نے اپنے لیے اس راہ کا انتخاب کیا ہوا ہے مثلاً میں ہر روز فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دیتا ہوں اس کے بعد ہائی اسکول اور کالجوں کے طلباء کو قرآن حکیم کا ترجمہ پڑھاتا ہوں۔ جمعہ کے خطبے کے ذریعہ کتاب و سنت کی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں بعد نماز عصر طالبات کی کلاسیں لیتا ہوں۔ عائشہ الصدیقہؓ ہائی اسکول میں پہلی جماعت سے عربی اور قرآن حکیم لازمی مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب ہیں۔ یا پانچویں جماعت تک ناظرہ قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ چھٹی جماعت سے ترجمۂ قرآن حکیم کا اہتمام کیا گیا ہے یہ مدرسہ ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کے تحت کام کر رہا ہے۔ مسلم ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کا کورس چار سالہ ہے اس کالج میں بھی ہر روز قرآن مجید کا ایک پیریڈ ہے مولانا قاری محمد عالم صاحب یہ پیریڈ لیتے ہیں۔ مدرسۂ تعلیمات اسلامیہ میں صبح و شام بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ محدود تعداد میں بچے حفظ بھی کرتے ہیں جو طلباء ناظرہ یا حفظ کر لیتے ہیں، انھیں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سارا کام نچلی سطح پر اور معمولی درجہ کا کام ہے۔ تاہم میرے نزدیک ایسے معمولی کام کی سوسائٹی میں غیر معمولی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنے گھر پر (ہم سے مراد میں اور میرے گھر کے افراد ہیں) بھی بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام کر رکھا ہے۔ مدرسۂ تعلیماتِ اسلامیہ میں ہائی اسکولوں کے بچے صبح و شام قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے گھر پر بھی مختلف اسکولوں کی بچیاں اور بچے

Marfat.com

ناظرہ قرآن مجید اور ترجمۂ قرآن مجید کی تعلیم سے مستفید ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے احباب کو فی الحقیقت اس لیے ان کاموں کے متعلق کبھی نہیں لکھا کہ یہ ایسے کام نہیں ہیں جو قابل ذکر ہوں عام ابتدائی اور معمولی کام ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری، میرے گھر والوں اور میرے عزیز و اقارب اور احباب کی مساعی کو قبول فرمائے جو اس کام میں پوری طرح تعاون کر رہے ہیں۔ آپ کی تالیفات میں بعض ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کے متعلق معروضات پیش کرنے کو دل چاہتا ہے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے ایسا کرنے سے قاصر رہتا ہوں۔

آپ نے "داعی اور دعوت کا کام" کے آخری صفحہ پر میاں محمد نواز صاحب کا اقتباس نقل کرتے ہوئے اس سے اتفاق کیا ہے۔ یعنی آپ کا یہ تصور جماعت میرے تصور جماعت سے قریب ہے۔ اقتباس کے چند جملے درج ذیل ہیں۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھے اس پہلو سے (یعنی جماعتی زندگی سے) قلب و ضمیر کے اطمینان سے محروم نہیں کیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک جزیرے سے نکل کر بحر بیکراں کی وسعتوں میں آ گیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الجماعت ۔ امت ۔ منظم فرمائی تھی وہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ دنیا میں موجود ہے۔" الخ

میاں محمد نواز صاحب کا یہ احساس کہ وہ جزیرے سے نکل کر بحر بیکراں کی وسعت میں آ گئے ہیں ان کے احساسات کا حقیقی اظہار ہے۔ کیوں کہ جماعتی زندگی میں اتنی گھٹن ہے اور اس دعوی کے باوجود کہ ہم تنقید کو خوش آمدید کہتے ہیں اپنے لیے تنقید ناقابل برداشت ہے اور غلطی کی اصلاح کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اس لیے اگر وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ جزیرے سے نکل کر بحر بیکراں میں آ گئے ہیں تو کوئی غیر حقیقی احساس نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ موجودہ امت مسلمہ الجماعت ہے

Marfat.com

اور ہم اس جماعت کے ایک فرد ہیں۔ اس حد تک تو بات صحیح ہے کہ ہم امتِ مسلمہ کے ایک فرد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے اور اسلام کی تعلیمات کا فہم عطا کر کے ہمیں اپنے بے پایاں انعامات سے نوازا ہے مگر موجودہ امت مسلمہ اور الجماعت!؟ اگر منتشر اشخاص کا نام الجماعت ہے پھر تو امت کا ہر فرد" الجماعت" کی "نعمتوں" سے مستفید ہو رہا ہے! در اصل جب تک دنیا میں برا بھلا خلافت کا نظام قائم تھا ایک حد تک الجماعت موجود تھی جب سے نظامِ خلافت ختم ہوا ہے الجماعت انتشار میں ہے۔ الجماعت وہ ہے جس کا امیر حدودِ الٰہی کا نفاذ کرے اور مملکت اسلامیہ کی حدود کی حفاظت کرے۔ ایسے امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور ایسے امیر کی نافرمانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے اور اس امیر کی رعایا جو اس امیر کی بیعت کرتے ہوتے دین اسلام کے نفاذ اور بقا میں اس کا ساتھ دے الجماعۃ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب ایک چیز موجود ہی نہیں ہے تو ہماری آرزوؤں اور تمناؤں سے وہ وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ خدا کرے کہ پاکستان کے حکمرانوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے اور شاید کوئی خدا کا بندہ ایسا اٹھے کہ جو ملتِ پاکستان کو خلافت کی منزل کی طرف لے جائے اور پاکستان میں تعلیم و تربیت سے لے کر حدودِ الٰہی کے نفاذ تک تمام جہتوں میں خدا کے دین کی علمبرداری کی راہ اختیار کرے اور بکھری ہوئی امت مسلمہ کو الجماعۃ کے سانچہ میں ڈھلنے کی ابتداء کرے۔

اے اللہ العالمین ہماری زندگی میں وہ دن لے آ کہ ہم تیرے دین کو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری دیکھیں اور اس وقت کے ہر فرد کو وہ دل عطا کر جو دل تیری یاد میں اطمینان محسوس کرے۔ والسلام۔ طالبِ دعا۔ محمد نذیر مسلم[1]

---

[1] ڈاکٹر محمد نذیر مسلم پاکستانی معاشرے کے ان چند نمایاں اور خاموش داعیوں میں سے ایک ہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے پر)

Marfat.com

لاہور۔ ۲۰-۱-۱۹۹۲ء

برادرم محمد یوسف بھٹو صاحب

السلام علیکم ..... آپ سے اکثر مختصراً اوقات کے لیے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ آخری ملاقات اس سال تبلیغی اجتماع کے موقع پر رائے ونڈ میں ہوئی۔ آپ کی دونوں کتابیں "داعی اور دعوت کا کام" "معاشرے کی اسلامی تشکیل نو اور تصوف احسان" مل گئی تھیں۔ پہلے بھی آپ کی کچھ کتابیں میرے پاس تھیں۔ لیکن کئی وجوہات کی بنیاد پر ان کا سرسری مطالعہ کیا تھا اور مفہوم سطحی طور پر سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ فطری طور پر کیوں کہ میرے اندر یہ تڑپ موجود تھی کہ کوئی بھی کام اچھی طرح سرانجام دینے کے لیے کتابوں کے ساتھ اس علم کو دوسروں میں عملی طور پر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) جو معاشرے کی خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر تربیت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملی تشکیل نو کے کاموں میں شب و روز مصروف ہیں۔ ان کے کام، حوصلہ اور جذبے کو دیکھ کر یہ سہارا ملتا ہے کہ معاشرے میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے دم قدم سے معاشرہ قائم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف اسلامی تحریک کے سرگرم کارکن اور اسلام کے داعی ہیں بلکہ وہ دانشور اور اسکالر بھی ہیں۔ ان کے بعض مضامین اور تجزیوں سے راقم نے بڑی فکری غذا حاصل کی۔ لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب نام ونمود اور اخباری بیانات سے بہت دور ہیں۔ وہ معاشرے میں دعوت کے لیے ٹھوس اور بنیادی کام کر رہے ہیں۔ اس خط سے ان کے کام کا ہلکا سا اندازہ ہو جائے گا۔

کاش! ہمارے معاشرے میں وہ صلاحیت اور توانائی موجود ہو کہ وہ ڈاکٹر محمد نذیر مسلم جیسے اشخاص پیدا کرتا رہے۔

Marfat.com

منتقل کرنے کے لیے عملی نمونوں کی ضرورت لازمی ہے۔ اس لیے سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ساتھ اسلاف کے حالات زندگی پڑھنے میں خصوصی دلچسپی رہی۔ اس سے مزید انشراح ہوا۔ چنانچہ صالح آدمی کی تلاش میں رہا۔ اور ساتھ ساتھ جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور تنظیم اسلامی سے کئی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے استفادہ کرنے کی توفیق بخشی۔ پھر آج سے تقریباً دو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک شخصیت کی صحبت بھی عطا کر دی۔ تصوف کے حلقوں پر اعتراضات بھی پڑھے۔ ان کے حق میں دلائل بھی سامنے آئے۔ لیکن علم کی کمی اور کم فہمی کی وجہ سے پورے انشراح کے ساتھ یہ فیصلہ آج تک نہیں کر پایا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اصل حق کیا ہے۔ دلائل دونوں طرف مضبوط ہیں۔ میرا مسئلہ بھی عجیب ہے میں دلائل کے مقابلے میں دلائل دینے والے کی شخصیت، اس کا کردار، اخلاق، معاملات پر زیادہ توجہ رکھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ صرف دلائل سے کبھی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی یقین ہے اور ساتھ مشاہدہ بھی ہے کہ جب مسلمانوں کے سارے شعبوں میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے تو ان حلقوں میں بھی ہو چکا ہے۔ اس سب کے باوجود الحمد للہ صحبت کی اہمیت مسلم اور پھر عملی طور پر صحبت سے بہت کچھ حاصل ہو رہا ہے۔ دین کی مختلف بنیادی باتیں مختلف شعبوں اور مختلف شخصیات کے پاس محفوظ ہیں اس لیے ان کے پاس جانے کا فی الحال اصل مقصد یہی ہے کہ جو جس کے پاس ہے وہاں سے لینے کی کوشش جاری رہنی چاہیے جو اُن کے پاس نہیں ہے خواہ مخواہ ان سے طلب بھی نہیں کرنی چاہیے۔

انشاء اللہ ذاتی (انفرادی نظام) نظام اور اجتماعی نظام کے لیے اصلاح کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ ایسے اصحابِ عزیمت پیدا کریں گے جن کو یہ شعور ضرور ملے گا کہ دونوں نظاموں میں انقلاب کی ضرورت ہے۔ لیکن بنیاد میں انفرادی نظام

Marfat.com

(یعنی روحانیت علم وعمل عزیمت اور ذکر و فکر والی زندہ مثالیں) موجود رہے گا تو اجتماعی نظام میں انقلاب لانے کے لیے اللہ تعالیٰ حالات کو ساز گار فرمائیں گے۔ اور پھر دنیا کی کوئی طاقت۔ کوئی نظریہ۔ کوئی فلسفہ آڑے نہ آسکے گا۔ خدا کرے ایسے لوگ پیدا ہوتے چلے جائیں۔ فی الحال اجتماعی نظام کی تبدیلی کے خواہش مند حضرات یا لیڈنگ رول ادا کرنے والے حضرات عقل اور منطق والی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر یہ کام کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ دونوں محاذوں پر کام کرنے کی اہمیت ہمارے یقین کا حصہ بن جائے کیوں کہ اصل تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا مطلوب ہے۔ ذاتی اصلاح سے اجتماعی اصلاح کا جذبہ جوان ہونا چاہیے اور اجتماعی اصلاح سے آخری نتیجہ یہی حاصل کرنا ہوگا کہ افراد کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں امن وچین اور عدل کا ظہور ہو جائے۔ اصل میں تو خط لکھنے کا مقصد آپ کی طرف سے تحفہ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ کچھ باتیں دل کی بھی ساتھ ہو گئیں۔ خواہ ٹوٹے پھوٹے انداز سے ہی سہی۔

میں پروفیسر وجیہہ الدین صاحب (انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور) کی صحبت سے استفادہ کر رہا ہوں۔ نقشبندی مجددی سلسلے سے ان کا تعلق ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا تعلق بھی اسی سلسلے سے ہے۔ بہرحال اصل بات تو ایسے انسان کی صحبت درکار ہے جس کے پاس بیٹھ کر ایمان میں اضافہ ہو۔ علمی سطح پر بھی اور عملی سطح پر بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کے متعلق خط میں کچھ باتیں تحریر کریں تاکہ ان سے مزید تعارف حاصل ہو۔ میں ایک دفعہ حیدرآباد آیا تھا۔ آپ سے آپ کے گھر ملاقات ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب سے بھی ملنے کا شوق تھا لیکن تنظیمی ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت نہ نکل سکا تھا۔ کتاب داعی

Marfat.com

اور دعوت کا کام" بہت ہی آہستہ آہستہ ۔ غور و فکر کرتے ہوئے ۔ مزے لے لے کر پڑھ لی ہے ۔ دوسری کتاب زیرِ مطالعہ ہے ۔ میرے پڑھنے کے انداز میں کافی فرق ہے ۔ ملاقات ہوگی تو تفصیلاً بات ہوگی ۔

والسلام ۔ آپ کا بھائی

میاں محمد نعیم[1] ۔

ڈپٹی ڈائریکٹر جیولاجیکل سروے

آف پاکستان ۔ 68 - ڈی ۔

ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور ۔

---

[1] تنظیم اسلامی پاکستان کے سابق جنرل سیکرٹری

کراچی ۲۷ ر اگست ۱۹۸۵ء

عزیز محترم محمد موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ مجھے مل گیا ہے ۔ میں تہِ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے میری کوتاہیوں سے آگاہ فرمایا[1] ہے ۔ میں معذرت خواہ ہوں

---

[1] حکیم صاحب کا یہ خط پرانی فائل میں ملا ہے ۔ راقم نے اپنے خط میں حکیم محمد سعید صاحب کو سندھ میں نوجوانوں کو اخلاقی اور نظریاتی طور پر سہارا دینے کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ کام پر توجہ دلائی تھی ۔ حکیم صاحب جیسی ہمہ جہتی مصروفیات کی حامل شخصیت سے اس طرح کے کام کی توقع رکھنا صحیح نہ تھا ۔ حکیم صاحب کا یہ خط میرے خط کے اس پس منظر میں ہے ۔

Marfat.com

کہ آپ کے گزشتہ دو تین خطوط کا جواب نہیں دیا جا سکا۔ ایک تو یہ ہے کہ خط کے بعد آپ سے ملاقات ہو جاتی رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان خطوط میں جو تجاویز تھیں ان پر غور و عمل کے لیے متعلقہ حضرات کو میں نے وہ خطوط دیدیے اور مجھے وہاں سے جواب اور مشورہ نہیں ملا۔ کوتاہی بہرحال میری ہے اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔

احترامات آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید[۱]

ہمدرد منزل کراچی نمبر ۵

۱۔ حکیم محمد سعید صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حکیم صاحب بیک وقت خیر کے جو کام کر رہے ہیں انہیں دیکھ کر وجدان یہ کہنے لگتا ہے کہ قوموں اور ملکوں کے لیے ایسی شخصیتیں ہی اللہ تعالیٰ کا فیضان ہوتی ہیں اور ایسی شخصیتوں کی وجہ سے ملکوں اور قوموں پر آنے والے عذاب ٹل جاتے ہیں۔

حکیم صاحب جہاں اپنے پیشے میں بلند مقام کے حامل ہیں وہاں وہ علم و فضل اور دانشوری کے اعتبار سے بھی بہت آگے ہیں۔ طب اسلامی کے فروغ کے سلسلے میں تو ان کی خدمات صدیوں تک یاد رکھی جائیں گی۔ مدینۃ الحکمۃ اور ہمدرد یونیورسٹی قائم کر کے حکیم صاحب نے اپنی ملی خدمات کے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

حکیم محمد سعید صاحب جامع صفات کی حامل شخصیت ہیں۔ وہ حافظ قرآن ہیں نفس پر قابو کے سلسلے میں وہ صوفیائے کرام کے عملی نمونہ پر گامزن ہیں۔ مثلاً وہ کم کھاتے ہیں۔ صرف ایک وقت رات کا کھانا کھاتے ہیں وہ بھی عام طور پر ڈبل روٹی اور دودھ پر گزارہ کرتے ہیں۔ وہ کم سوتے ہیں۔ تین چار گھنٹے سے زیادہ آرام نہیں کرتے۔ وہ ذکر و فکر اور عبادت کے لیے کافی وقت نکالتے ہیں۔ وقت کے اتنے پابند

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۲ ہجری ۲۸ فروری ۱۹۹۲ شمسی

جناب محترم محمد موسیٰ بھٹو صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ نے مجھے ازراہِ کرم اپنی کتابیں عطا فرمائیں۔

اسلام۔ ہمارے کچھ فکری و اخلاقی مسائل

داعی اور دعوت کا کام ــــ چند بنیادی مباحث

معاشرے کی اسلامی تشکیلِ نو اور تصوف و احسان

میں ممنون ہوں۔ کتابیں بیت الحکمۃ میں رکھ دی گئی ہیں۔ آپ کے لیے اپنی ایک کتاب "درونِ روس" بھجوا رہا ہوں۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص

محمد سعید

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

ہیں کہ انھیں دیکھ کر گھڑیاں سیدھی کرنے کا مقولہ انھی پر صادق آتا ہے وہ ایک لمحہ بھی ضایع نہیں کرتے۔ لاہور اور پشاور میں ماہانہ مطب کے لیے ان کے جو دن مقرر ہیں، پچھلے تیس سال میں اس میں ایک بار بھی ناغہ نہیں ہوا۔

حکیم صاحب غیر معمولی تنظیمی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ وہ لوگوں سے کام لینے کا فن بھی خوب جانتے ہیں۔ اسی لیے تو ہمدرد کو بین الاقوامی ادارہ بنانے میں کامیاب ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو طویل عمر عطا فرمائے اور ان سے دین اور ملک کی تعمیر کا زیادہ سے زیادہ کام لے اور ہمیں ان جیسی صلاحیتوں کے زیادہ سے زیادہ افراد عطا فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

محترم جناب گرامی قدر ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب

چیئرمین مقتدرہ قومی زبان ۔ اسلام آباد ۔ السلام علیکم ۔

مزاج شریف ...... اردو ادب میں آپکو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ مسلمہ ہے آپکی تحریروں سے جہاں فکری رہنمائی حاصل ہوتی ہے وہاں دل کے ساز بھی بجنے لگتے ہیں ۔ فکر میں یہ کمال بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے ۔ آپکے فکر کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جدید اور قدیم ادب پر آپکا مطالعہ ازحد وسیع ہے ۔ پھر اخذ نتائج کی صلاحیت بھی غیر معمولی ہے ۔ آپ جیسے ادیب ہی دراصل قوموں اور ملکوں کیلئے زندگی کی علامت ہوتے ہیں ۔

مجھے آپ سے ایک معاملہ میں رہنمائی حاصل کرنی ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ قومیں فکر سے ہی بنتی اور بگڑتی ہیں اور قوموں کو فکر دانشور اور ادیب ہی دیتا ہے ۔ ہمارے ہاں سندھ میں پچھلے چالیس سال سے اہل سندھ کو جس قسم کی فکر دی جارہی ہے وہ اپنے بنیادی اعتقادات اور اپنی تہذیبی قدروں سے بغاوت، آزادی اور سیکولرزم کی فکر ہے ۔ اس فکر کو سندھی ادب کی غالب فکر بنادیا گیا ہے ۔ "سندھی ادبی سنگت" کے نام سے ایک ادبی تنظیم پچھلے چالیس سال سے ادیبوں کو اس فکر کیلئے پلیٹ فارم مہیا کررہی ہے اور ان کو منظم کرتی رہی ہے ۔ چنانچہ ہمارے ہاں ایک عرصہ سے جو ادیب، شعراء اہل قلم اور دانشور تیار ہو کر ادبی، علمی اور صحافتی اداروں پر فائز ہوئے ہیں وہ کم و بیش انہی خیالات کے حامل ہیں ۔ ظاہر ہے جب تک فکر و نظر کی دنیا میں تبدیلی واقع نہ ہوگی یعنی علمی و ادبی محاذ پر ملی فکر کے لوگ تیار نہ ہوں گے تب تک اس علاقہ کے حالات میں بہتری کی امید رکھنا مشکل ہے .... چونکہ آپ جدید دور کے مکتبہائے فکر اور فکری تحریکوں سے پوری طرح آشنا ہیں نیز فکر کے ان دبستانوں میں اپنے بنیادی نظریے اور اساسی اعتقادات کے تحفظ کے مسئلے پر بھی آپ نے سالہاسال غور و فکر کیا ہے ۔ ان حالات میں مجھے آپ سے یہ رہنمائی حاصل کرنی ہے کہ ہم سندھ کی نئی نسلوں کو جدید فکر کی الجھنوں سے کس طرح بچائیں اور نئے ادیبوں کی کس طرح تربیت کریں ! اس سلسلہ میں آپ اگر علمی اور عملی طور پر راہوں کا تعین فرمائیں تو شاید اس سے سندھ میں صحیح خطوط پر کام کی راہیں نکل سکیں ۔ خدا کرے آپ کا مزاج بخیر ہو .... والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

Marfat.com

برادرِ عزیز و محترم ۔ السّلام علیکم ۔ مزاجِ گرامی

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ قبل ازیں آپ کی لاہور تشریف آوری سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا۔ پھر آپ سے فون پر بات ہوئی لیکن شرفِ ملاقات نہ ہو سکا جس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن شخصی ملاقات نہ ہونے کے باوجود میں بہت حد تک آپ کی سوچ اور آپ کی شخصیت سے واقف ہوں۔ اخبارات میں آپ کی چیزیں بھی دیکھی ہیں۔ بعض اوقات کسی شخص کی ایک ہی تحریر سے اُس کے مزاج اور اندازِ فکر سے اتنی شناسائی ہو جاتی ہے کہ شخصی رابطہ کے فقدان کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فکر و نظر کی بلندیوں پر فائز فرمائے اور ان لوگوں کے زمرے میں شامل کرے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ " وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا "۔

والسلام ۔ مخلص

ارشاد احمد حقانی[1] ۔ لاہور

---

[1] ارشاد احمد حقانی صاحب ملک کے اُن دو چار ممتاز صحافیوں میں سے ایک ہیں جن کے مضامین بڑے ذوق و شوق اور توجہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ اور ملکی، قومی اور ملی مسائل کے بارے میں جن کے تجزیے کا شدت سے انتظار کیا جاتا ہے۔ وہ قومی اور ملی مسائل، بین الاقوامی حالات، جدید معاشی اور نظریاتی مسائل وغیرہ ہر موضوع پر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ارشاد احمد حقانی کی تحریر کی پختگی، موضوع کے احاطہ اور تجزیوں کی گہرائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی سال غور و فکر میں صرف کیے ہیں اور لکھنے لکھانے کے کام میں ان کو فنائیت حاصل ہے اس لیے وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کا اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ قارئین کے لیے رائے قائم کرنا اور نتیجہ تک پہنچنا آسان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

- برادر عزیز و محترم - السلام علیکم - گرامی نامہ ملا -

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) آسان ہو جاتا ہے - ارشاد احمد حقانی کی تحریر میں سب سے اہم بات جو نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو پاکستان کے ساتھ غیر معمولی محبت ہے - وہ جمہوریت کو پاکستان کی بقا و تحفظ کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں - ملک کے مظلوم طبقات سے ان کو بے حد ہمدردی ہے - سرمایہ دار اور جاگیردار طبقات کو وہ ملک کے بیشمار مسائل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں - سب سے اہم بات یہ کہ ارشاد احمد حقانی صاحب اسلام کے ساتھ عقیدت اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں - وہ روایتی مسلمان نہیں بلکہ شعوری اور علمی مسلمان ہیں - ان کی تحریریں ان کے دردمند مسلمان ہونے کی غماز ہیں - ان کا ترقی پسندی اور تجدد پسندی سے کوئی تعلق نہیں - تاہم چونکہ اسلام سے ان کا تعلق کتابوں یا جدید دور کی اسلامی تحریکوں کے ذریعہ ہوا ہے - اہل اللہ کی مجلسوں اور صحبتوں اور گہرے دینی ماحول کے ذریعہ جو خالص دینی نشو و نما اور تربیت ہوتی ہے اس سے وہ نا آشنا رہے - ان کا فکری سانچہ صحافت کے آزاد ذہنی ماحول میں بنا ہے اس لیے اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام اور عورت کے موضوعات پر جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ جدید افکار سے متاثر ہیں اور بین الاقوامی تہذیب، کلچر اور جدید سیاسی و معاشی نظاموں سے مرعوبیت کے معاملہ میں وہ ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوتے - اسے تجدد پسندی یا تجدد پسندی کی تحریک سے وابستگی تو نہیں کہا جا سکتا لیکن جدیدیت سے غیر شعوری طور پر متاثر ہونا تو ضرور کہا جائے گا -

بہر حال صحافت میں ارشاد احمد حقانی کا وجود ملک کے لیے نیک فال ہے لاکھوں افراد ہیں جو ان کے مضامین پڑھتے ہیں اور جن کے دلوں سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں -

Marfat.com

ہر آدمی ہر محاذ پر یکساں توجہ سے کام نہیں کر سکتا۔ علمی رہنمائی کی قیادت اپنے بوجھ دیگر فرائض کے ساتھ میں نہیں کر سکتا۔ ہاں کوئی دوسرا جھنڈا اٹھائے تو اس میں معاونت کی جاسکتی ہے۔ آپ کو اس جواب سے قدرے مایوسی ہوگی لیکن میرا موقف غلط نہیں ہے۔ کبھی ملاقات ہوئی تو تفصیلی گفتگو ہوگی۔

والسلام۔ دعاگو

ارشاد احمد حقانی

بخدمت محترم جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گراں قدر کتاب گرامی نام کے ساتھ ملی۔ عنایت فرمانے پر تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ کی تجاویز اور مشورے صائب ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ کمزوریاں رفع ہوں۔ وقتاً فوقتاً آپ کی تنبیہات سے استفادہ کرتے رہیں گے مجھے امید ہے کہ آپ اپنے مخلصانہ جذبات سے نوازنے میں کسی بخل سے کام نہ لیں گے۔ "المؤمن مرأۃ المؤمن" کے بموجب اس سلسلے کو آگے جاری رکھیں گے۔ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے اور اس کے لیے ہم میں سے ہر ایک ہر دوست کی مدد کا محتاج ہے۔ میرے بارے میں آپ نے جس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے وہ آپ جیسے دوستوں کی طرف سے قدر افزائی کا نتیجہ ہے ورنہ میں تو بہت کمزور آدمی ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے بارے میں آپ کے حسن ظن کو سچا ثابت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ تو فی الواقع بڑا جہاد کر رہے ہیں اور الحمدللہ اس میدان میں آپ نے بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ "سندھ" کو دوبارہ باب الاسلام بنادے تمام تخریبی قوتیں دم توڑ جائیں اور اللہ والے پورے سندھ کو اس کا حق دلانے

Marfat.com

میں کامیاب ہو جائیں۔ نیک لوگوں کی قیادت ہو اور ہر طرف امن وسکون کی زندگی بسر ہو رہی ہو۔ اللہ کے دین کا دور دورہ ہو اور معاشرہ توحید و سیرت کے رنگ میں رنگا ہو "المسلم اخو المسلم لا یظلمہٗ ولا یسلمہٗ" کا مظہر ہو اور "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" کی جھلک پیش کرتا ہو۔ انشاء اللہ آپ کا جہاد رنگ لائے گا اور ایک دن یہ منظر بھی ہم کو دیکھنا نصیب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور اخلاص کے ساتھ دلوں کی دنیا کو بدلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

عبدالمالک عفی عنہٗ

منصورہ ــــ لاہور

لہ مولانا عبدالمالک صاحب مرکز علوم اسلامیہ منصورہ کے صدر مدرس ہیں۔ منصورہ کا دارالعلوم جس میں کئی سو طلبا پڑھتے ہیں۔ اس میں مبتدی طلبا کی تربیت اور منتہی طلبا کی تعلیم کی ذمہ داری مولانا کے سپرد ہے۔ مولانا ایک طرف تو شیخ الحدیث ہیں دوسری طرف وہ مربیانہ صلاحیتوں کے حامل بھی ہیں۔ مولانا کی ذات سے بجا طور پر یہ توقعات کی جا سکتی ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے اقامت دین اور سیاسی مرکز میں رہتے ہوئے اسلامی علوم کے طلبا کی تربیت اس طرح کریں گے کہ وہ دینی علوم کے فاضل بن کر اپنے اپنے علاقوں میں دین کی شمع کو روشن رکھنے کے کام کو زندگی کا مشن بنائیں گے۔ اور سیاست کو اپنی صلاحیتوں کا مرکز بنانے کی بجائے قرآن وسنت کے علوم اور ان کے لیے تسلسل کو قائم رکھنے اور معاشرے میں دینی شعور کو اجاگر کرنے کے کام ہی کو اولیت دینگے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالمالک صاحب کو اس کام کے لیے ایک ایسا زبردست موقع فراہم کیا ہے کہ اس طرح کا موقع بہت کم شخصیتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ معاشرے کو

Marfat.com

باسمہٖ تعالیٰ

۹-۸-۱۹۹۱ء

عزیز بھائی ______ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملے کافی عرصہ ہو گیا۔ آپ کی ارسال کردہ کتب میں سے اپنے مطلب اور دلچسپی کی ساری چیزیں میں نے دیکھ لی تھیں۔

تنقیدی تحریر لکھنا اور چھپنا، میں اس میں کوئی افادیت نہیں دیکھتا۔ نہ مجھے، آپ کی ہر بات سے اختلاف ہے، نہ اتفاق۔ یہ بات بالمشافہ ہو جائے تو کافی ہے۔ یہ مسائل نہ کبھی سلجھے ہیں، نہ شاید سلجھیں گے۔ اپنا نقطۂ نظر پیش کریں، زبان نرم رکھیں، نیت پر حملہ نہ کریں۔ اپنوں ہی کی بیخ کنی نہ کریں، اپنا کام کیے چلے جائیں ـــــ میں اسی پالیسی میں اس منتفرق امت کے لیے عافیت دیکھتا ہوں۔ الحمد للہ۔ آپ غالب حد تک اسی راہ پر گامزن ہیں۔ ــــــــ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ـــــ

والسلام ــــــــــ آپ کا بھائی ـــــــــــ

خرم مراد [1]

نائب امیر جماعت اسلامی منصورہ۔ لاہور

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) اس وقت سیاسی میدان کار کے مجاہدوں سے زیادہ قرآن وسنت کے خادموں، دین کے داعیوں اور لوگوں کی دنیا و آخرت کو بہتر بنانے کی فکر رکھنے والے درد مند انسانوں کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے افراد اس وقت ہمارے معاشرے کی سب سے زیادہ ضرورت ہیں۔ اسلامی انقلاب کی داعی جماعت کو تو ایسے افراد کار زیادہ درکار ہیں۔

مولانا عبد المالک صاحب اس سلسلے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اور کریں گے اس سے انشاء اللہ اسلامی تحریک کو تقویت حاصل ہوگی اور معاشرے کو دینی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے سہارا دینے میں مدد ملے گی ــــــــــــــــ

[1] خرم مراد صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر ہیں۔ وہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کراچی ۲۷ / اکتوبر ۹۱ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہایت عزیز بھائی۔ محمد موسیٰ بھٹو صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ۱۳ / اکتوبر کا خط میرے سامنے ہے، یاد آوری پر شکر گزار ہوں۔ بڑی مدت بعد آپ کی تحریر دیکھنے کو ملی، آجکل آپ اخبارات کے لیے نہیں لکھتے، وگرنہ ملاقات ہوجاتی تھی۔ اللہ آپ کو اچھا رکھے اور ہم سب سے وہ کام لے لے، جس سے وہ راضی ہوجائے۔ آمین۔

آپ نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ زندگی ہے تو ملاقات ہوگی۔ تاہم یہ بھی دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ابدی اور دائمی زندگی میں اپنی جنتوں میں ملادے، وہ ملاقات سدا بہار ہوگی اور وہ زندگی، حیاتِ جاوداں ہوگی... انشاء اللہ۔ آپ کی کتاب کا ہنوز انتظار ہے ——— والسلام ——— خاکسار ———

سید منور حسن۔ کراچی۔[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) شعبۂ تربیت کے امور کے ذمہ دار ہیں۔ وہ اگرچہ اسلامی تصوف کے قائل نہیں۔ تاہم ان کی ذات میں تصوف کے سارے اجزاء موجود ہیں۔ سب کے ساتھ محبت، بزرگی کے اظہار کی بجائے خودگی کا اظہار، سادگی، درویشی، ملنساری، شہرت سے دوری، اخبارات میں نام اور تصاویر سے عدم دلچسپی، سب سے بھلائی، خیر خواہی اور بہتری کا سوچنا، ملنے میں پیش قدمی کرنا۔ ماشاء اللہ یہ ساری خوبیاں ان کے اندر موجود ہیں۔ یہ قرآن و سنت سے ان کی محبت اور آہِ سحر گاہی کا نتیجہ ہے۔ ان کے اندر اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کا سلیقہ بھی موجود ہے۔ وہ اختلافِ رائے کو تعلقات کی راہ میں حائل ہونے نہیں دیتے ———

[1] سید منور حسن صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے نائب قیم ہیں۔ اس سے پہلے (اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کراچی ۲۳ فروری ۱۹۸۸ء

برادرِ عزیز موسیٰ بھٹو　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مجھے ۶ جنوری کو ملا تھا اور اس وقت میرے سامنے ہے، قدرے تاخیر سے جواب لکھ رہا ہوں، مصروفیات مانع رہیں۔

آپ نے سندھ کی صورت حال اور مسائل کی جو تصویر کھینچی ہے وہ حقیقی اور پریشان کن ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں میں اس کا ادراک بھی پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن پل کے نیچے سے بہت پانی بہہ گیا ہے، مرض بہت بڑھ چکا ہے۔ اور ادھر یہ صورت ہے کہ تشخیص میں بھی اختلاف ہے اور علاج کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی بے بیکار ہے، جتنے منہ اتنی باتیں، سنجیدہ، معقول اور دانا لوگ بھی سطحی باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے میں اپنی گدّی

(حاشیہ)

وہ جماعت اسلامی کراچی کے امیر تھے۔ منور حسن صاحب جماعت اسلامی کے حلقے میں اہلِ دل شمار ہوتے ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک ہمارے مُربّی کے مُربّی حضرت قبلہ زوّار حسین شاہ صاحبؒ کی صحبتوں سے مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے وہ دل کو گرم رکھنے اور اس کے سوز و ساز کے مسائل سے آشنا ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ سید منور حسن صاحب کی دل کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی جا رہی ہیں اسی وجہ سے ان کی تقاریر سے کارکنوں کے اندر رقت قلبی اور گداز پیدا ہوتا ہے۔ جماعت کی فکر سے متاثر نوجوان طبقات سے سید منور حسن صاحب کے تعلقات سب سے زیادہ گہرے ہیں۔ بہت سے نوجوان انھی کی کوششوں سے جماعت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو باصلاحیت افراد اپنی صلاحیتوں کو اسلام کے لیے ہونے والے اجتماعی کام کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں۔ منوّر صاحب انھی قابلِ قدر لوگوں میں سے ایک ہیں۔

Marfat.com

اونچی رکھنے اور آپس ہی میں مقابلہ کرنے کا رجحان بھی زوروں پر نظر آتا ہے۔ یہ تو ایک طے شدہ امر ہے کہ پورے سندھ ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں جگہ جگہ بنیادی نظریاتی انسان (———) مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کی فکر اور تحریر اور تحریک کے ذریعہ ہی بنے اور اٹھے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک الحمدللہ جاری ہے۔ اخلاص سے کیا ہوا کوئی کام رائیگاں نہیں جاتا، اس دنیا میں بھی برگ و بار لاتا ہے اور آخرت تو ہے ہی اسی کام کے لیے......

ایسے میں سارے لوگ بعد میں کسی اور تنظیم اور کسی اور گروہ یا تحریک کے حوالہ سے جانے جاتے ہیں، خواہ مولانا منظور نعمانی ہوں یا مولانا علی میاں، ڈاکٹر اسرار احمد ہوں یا جاوید احمد صاحب، مولانا وصی مظہر ندوی صاحب ہوں یا مولانا طاہر القادری صاحب کسی جماعت یا اجتماعیت سے الگ ہو جانا، کسی سے ناراض ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، انسانوں کی دنیا میں یہ ممکن ہے، ایسا ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ ایسے تمام افراد جو کسی بھی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کریں اور بعد میں کسی اور عنوان سے اسی کام کو انجام دیں اور اسی مشن کو جاری رکھیں...... تو یہ چیز مستحسن ہے، اس طرح نئی اپروچ اور سوچ کی راہیں کھلتی ہیں، اور طریق کار کا تنوع زیادہ لوگوں کو سمیٹنے کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ عام طور پر ایسے تمام افراد کی توانائیاں فی الاصل جماعت اسلامی کی تردید اور مولانا مودودیؒ کی تنقیص میں صرف ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ تو ظاہر ہے اس کا کیا نکلا ہے اور کیا نکلنا ہے، لیکن اس سے بدمزگی، تلخی اور دوری جنم لیتی ہے اور کاز کو ہی یک گونہ نقصان پہنچتا ہے۔ تو میں اس بات کو بھی سمجھتا ہوں کہ ایسے تمام افراد اپنی علیحدگی کا جواز پیش کرنے کے لیے ہی یہ سب تانا بانا بنتے ہیں۔ لیکن ذکر

Marfat.com

جب قیامت کا چھڑتا ہے، تو بڑے دور کی کوڑیاں لاتا ہے، اور اپنوں ہی کے دامن تار تار کرتا ہے ۔ اور اصل مشن کی خدمت برائے نام بھی بمشکل ہوتی ہے، یہ موضوع تو تحریر کا متحمل نہیں، یہ تو زبانی کلامی اور دو بدو ہی سیر حاصل گفتگو کا موضوع ہے، تاہم قلم اٹھا ہے تو میں نے کچھ لکھدیا ہے .....! امید ہے آپ بھی اس پر غور کریں گے۔

آپ بخیر و عافیت ہوں گے، اللہ تعالیٰ واقعی آپ سے اپنے دین کی خدمت لے لے، ہم سب کو اپنے فضل خاص سے نوازے۔

والسلام۔ آپ کا دینی بھائی

منور حسن

۳ر نومبر ۱۹۹۱ء

برادر محترم سید منور حسن صاحب

السلام علیکم۔ مزاج شریف

آپ کا ۲۷ر اکتوبر کا عنایت نامہ ملا۔ جذبۂ محبت کے لیے از حد ممنون ہوں۔ اخبار میں لکھنے کے لیے کوشش کے باوجود طبیعت آمادہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ البتہ تصنیف و تالیف اور اپنی اصلاح و تربیت اور دوستوں و ساتھیوں سے رابطہ کا کام جاری ہے۔ سندھی زبان میں کتابوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس طرح ہر ماہ ایک کتاب شائع کر کے سندھ کے پڑھے لکھے حلقوں میں پہنچانے کی کوشش جاری ہے۔ ذاتی اصلاح کے لیے تبلیغی جماعت کے ساتھ چلّہ پر نکل گیا تھا۔ اللہ کے فضل سے کافی فائدہ ہوا۔ اندازہ ہوا کہ گھر اور دفتر کے ماحول میں کاموں کے شدید ہجوم کی وجہ سے اصلاحِ ذات اور تعلق مع اللہ کے لیے ذہن کو وہ ماحول فراہم نہیں ہو پاتا جس سے وہ یکسو ہو سکے۔ تبلیغی جماعت

Marfat.com

کے طریقِ کار سے یقیناً ہمیں اختلافات ہیں۔ وہ دعوت کی پیش کش کے اسلوب میں نئے انداز کو اپنانے کے قائل نہیں۔ اسی طرح وہ نہی عن المنکر کے شعبہ کو نظرانداز کیے ہوئے ہیں۔ تاہم، ہم جیسے اقامت دین کا کام کرنے والے افراد کی ذاتی اصلاح کے لیے تبلیغی جماعت کے پاس بہت کچھ ہے جو ہمیں ان سے مل سکتا ہے۔

تبلیغی جماعت کا کہنا ہے کہ دعوت کے کام کے لیے حقیقی اضطراب اور ایمان و یقین کی گہرائیوں کی ابتدائی سطح تک پہنچنے کے لیے زندگی میں ایک بار چار ماہ دینا ضروری ہے۔ چار ماہ کے بغیر دعوت کی لذت سے آشنا ہونا اور پورے عالم کی فکر کا دامن گیر ہونا مشکل ہے۔

آپ شاید یہ سمجھیں کہ راقم جماعت اسلامی کی فکر سے بہت دور جا چکا ہے اور نظام باطل کو تبدیل کرنے کی بجائے اب ذاتی اصلاح کے چکروں میں پڑ کر اس کی توانائیاں ضائع ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ راقم یہ سمجھتا ہے کہ دین کے اجتماعی کام اور معاشرے میں دین کے لیے اپنی توانائیوں کے صحیح استعمال کے لیے تزکیے، ایمان و یقین، احسان، اخلاص، تواضع وغیرہ کی جو قوت ہونی چاہیے وہ عام طور پر گھر، بازار اور دفتر کے ماحول میں حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اللہ کے لیے گھر سے نکلنے اور مسجد کے ماحول میں رہنے اور دعوت دیتے رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ جداگانہ بات ہے کہ تبلیغی جماعت کے بعض نقائص کی وجہ سے اس قوت کا پوری طرح استعمال نہیں ہو رہا ہے۔

راقم اخلاص نیت کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالات میں نظام کو درست کیے بغیر نہ تو معاشرہ درست ہو سکتا ہے اور نہ ہی عالمی سطح پر اسلام کے بہتر تعارف کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور ملک و ملت اور اسلام

Marfat.com

کو درپیش خطرات کا مقابلہ اور نئی نسل کو بگاڑ کے سیلاب میں بہنے سے بچانا بھی ممکن نہیں۔ لیکن نظام کی تبدیلی کے لیے بلند سیرت و کردار اخلاص اور اخلاقِ حسنہ کے حامل افراد چاہئیں۔ ایسے افراد جو ضبطِ نفس، صبر و تحمل، بردباری، معاف کر دینے کی صلاحیتوں سے مالامال ہوں۔

سیرت میں اگر یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں اور تبدیلی اور انقلاب کا جذبہ بھی تو اسلامی انقلاب کی منزل دور نہیں، بہت قریب ہے۔ کاش کہ اسلامی نظام اور انقلاب کی تمنا رکھنے والے حضرات ہمارے دردِ دل اور اضطرابِ دل کو سمجھیں۔ اور اپنے سے باہر اسلامی اور دینی اداروں سے حاصل کرنے اور سیکھنے کے لیے دلوں اور ذہنوں کے دروازوں کو بند نہ کریں کاش کہ دوسرے لوگ بھی کھلے ذہن کے ساتھ اپنے بھائیوں سے حاصل کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور ہم سب کو اپنے دین کے لیے قبول فرمائے اخلاص اور استقامت عطا فرمائے اور دین و دنیا و آخرت کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین۔

والسلام ۔ احقر
محمد موسیٰ بھٹو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہایت عزیز۔ برادرم محمد موسیٰ بھٹو صاحب !

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا دعائیہ خط ملا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

آپ سے رابطہ کا خواہش مند بھی ہوں اور خواہاں و ضرورت مند بھی، اسی طرح دعاؤں کی احتیاج بھی ہے۔ آپ جیسے خیر خواہوں سے سب کچھ فراخدلی

Marfat.com

سے ملنے کی امید ہے، انشاء اللہ۔

والسلام

خاکسار

منور حسن۔ ۹ ردسمبر ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲-۱۱-۱۹۹۱ء

برادرم جناب موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی تحریر کردہ کتابیں: مولانا جان محمد بھٹو اور چوہدری غلام محمد ملگئی ہیں۔ میں ان کتابوں کو طباعت کمیٹی کے حوالے کر رہا ہوں۔ امید ہے ہم ان کو یہاں چھاپیں گے۔ یہ دونوں بزرگ ہماری تحریک کے جلیل القدر ساتھیوں میں سے تھے ہم چاہتے ہیں کہ نوجوان ساتھی اپنے پیشرو ساتھیوں سے پوری واقفیت حاصل کریں۔ تاکہ انھیں اندازہ ہوجائے کہ تحریک اسلامی جو اس وقت چل رہی ہے اسے قائم کرنے میں کس طرح قربانیاں دی گئی ہیں۔

خاکسار

خلیل احمد حامدی

---

۱۵ ر نومبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب گرامی قدر مولانا خلیل احمد[1] حامدی صاحب

---

[1] مولانا خلیل احمد صاحب جماعت اسلامی کے امور بیرونی شعبہ کے انچارج ہیں وہ عملاً جماعت کے اندرونی نظام میں سب سے زیادہ متحرک اور موثر شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ عربی زبان پر ان کو کافی عبور حاصل ہے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ان کو لکھنے کی یکساں صلاحیت حاصل ہے۔ اگر علم و عمل کے ساتھ روحانیت کے اجزا بھی شامل ہوجائیں تو ان کی ذات اسلامی تحریک کے لیے کئی گنا زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ مزاج شریف

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ یہ معلوم کرکے از حد مسرت ہوئی کہ آپ نے مولانا جان محمد بھٹو اور چوہدری غلام محمد والی راقم کی کتابیں اشاعت کے لیے طباعت کمیٹی کے حوالہ کر دی ہیں ۔ یہ دونوں شخصیتیں جماعت اسلامی کی قیمتی اور عظیم ترین شخصیتیں ہیں ۔ اب بھی حالت یہ ہے کہ اس دور کے کارکنوں کے سامنے جب ان دونوں کا ذکرِ خیر آتا ہے تو ان کا دل بھر آتا ہے اور وہ سہانی یادوں کی دنیا میں چلے جاتے ہیں ۔ راقم نے اس دور کے متعدد کارکن ایسے دیکھے ہیں کہ ان شخصیتوں کے واقعاتِ زندگی بیان ہوتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ کارکنوں کی ان کے ساتھ والہانہ محبت آخر کیوں کر ہے ۔ راقم نے اس پر جتنا بھی غور کیا ہے ، اس کا ایک سبب یہ نظر آیا ہے کہ یہ شخصیتیں جہاں عمل اور جہاد میں بہت آگے آگے تھیں وہاں تعلق مع اللہ ، اخلاص ، تواضع ، کارکنوں کے ساتھ اللہ کے لیے محبت ، سادگی قناعت ، دنیا سے بے نیازی اور سیرت و کردار میں پاکیزگی کے معاملہ میں بھی بہت نمایاں تھیں ۔

راقم کے خیال میں ان کے اندر یہ صفات عبادات میں انہماک اور گہرے دینی شعور کا نتیجہ تھیں ۔ اس وقت ہماری قومی زندگی بالخصوص جماعتی زندگی اس طرح کی شخصیتوں کے فقدان کا شکار کیوں کر ہے ۔ اس سوال پر غور و فکر کرکے ہمیں اس طرح کی شخصیتوں کی پیدائش کے عمل کے لیے کوشاں ہونا چاہیے اس لیے کہ قومیں اور جماعتیں شخصیتوں سے ہی بحرانوں سے نکلتی ہیں اور ارتقا پذیر ہوتی ہیں ۔

راقم کے خیال میں ہم اگر کامل دینی شعور کے ساتھ ساتھ جماعتی زندگی میں عبادتی پہلو اور تعلق مع اللہ پر زیادہ سے زیادہ زور صرف کریں تو اس سے انشاء اللہ اخلاص اور تواضع کے حامل افراد پیدا ہونے میں مدد ملے گی ۔ اگرچہ عبادت سے ذوق و شغف خالصتاً ذاتی معاملہ ہے یہ باہر سے مسلط نہیں ہوتا لیکن جماعت کے تربیتی نظام میں اس طرح کا ماحول تو پیدا کیا جا سکتا ہے جس سے کارکنوں کے اندر عبادتی جذبہ فروغ پذیر ہو اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت

Marfat.com

واضح ہو اور اس سلسلے میں عملاً کچھ عادتیں مستحکم ہونا شروع ہوں۔

راقم اکتوبر میں منصورہ آیا تھا۔ دو تین دن قیام رہا۔ وہاں متعدد دوستوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ اسلام کی اقامت کا کام کرنے والے نفسیاتی طور پر توانا اور مضبوط نہیں وہ اکثر باطنی طور پر کمزور ہیں اور ڈپریشن کا شکار ہیں اور ایک دوسرے سے رنجشوں کی شدید فضا میں رہتے ہیں۔ راقم نے ایک دوست سے معلوم کیا کہ یہاں اگر کوئی ایسی شخصیت ہو جس کی صحبت سے اللہ یاد آ جائے۔ ذرا مجھے بتائیے تاکہ اس سے صحبت ہو۔ ان دوست نے جو وہاں برسہا برس سے رہ رہے ہیں، کہا کہ یہاں اس طرح کی ایک بھی شخصیت نہیں ہے۔ اقامتِ دین کی جس جماعت میں ذکر و فکر کا ماحول پیدا نہ ہوگا اور عبادتی ذوق و شوق کی فضا پیدا نہ ہوگی وہاں ظاہری لحاظ سے دین کے لئے چاہے کتنے معرکے سر انجام دیے جاتے ہوں لیکن وہاں باطنی اور داخلی محاذ سرد ہوگا۔ ڈپریشن، رنجشوں اور تلخیوں کی فضا رہے گی۔ ممکن ہی نہیں کہ حقیقی محبت اور خیر سگالی کی فضا پیدا ہو۔

آپ کی شخصیت جماعت کے حلقہ میں ہر اعتبار سے مسلم ہے۔ علم و فضل، دانشوری اور تحریر و تقریر وغیرہ میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل ہے نیز جماعت میں آپ کی ایک آواز بھی محسوس ہوتی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ جماعت کے وہ دوست بہت زیادہ قابل رحم ہیں جو اقامت دین کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ذہنی، داخلی اور روحانی طور پر شدید عدم مطمئن ہیں، تحمل اور بردباری کے معاملے میں اتنے پیچھے ہیں کہ معمولی اختلاف کے موقع پر سارا داخلی نظام مجروح ہو جاتا ہے۔ ہمارے ان ساتھیوں کو ذکر و فکر کی خوراک کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ ان کو داخلی طور پر توانائی حاصل ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے نہ صرف عبادتی پہلو اور ذکر و فکر کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ تربیتی نظام میں اس سلسلے میں بعض بنیادی اور فیصلہ کن تبدیلیاں بھی کرنی چاہئیں۔ یہ توقع نہیں کہ

Marfat.com

میں قرآن وحدیث سے ذکر وفکر کی اہمیت واضح کروں۔ ویسے بھی اس سلسلے میں آپ مجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔

یقین جانیں اس طرف توجہ دینے سے جماعت کی فعالیت، اس کے کردار اور قوت میں موجودہ فعالیت اور کردار سے کئی گنا زیادہ طاقت پیدا ہو جائیگی اور معاشرے میں جماعت کی آواز زیادہ شدت سے محسوس کی جائے گی۔

چونکہ راقم کو دین کے غلبہ اور اقامت دین کی فکر اور تحریک سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ قرآن وحدیث، اسلاف اور تجدید احیائے دین کی تاریخ اور مجددین کے واقعات زندگی کے مطالعہ سے یہ نکتہ واضح ہوا ہے کہ ذکر و فکر اور عبادت کے غیر معمولی اہتمام کے بغیر دین کی دعوت کا کام زیادہ دیر تک چل ہی نہیں سکتا۔

مولانا جان محمد بھٹو اور چوہدری غلام محمد مرحوم کی شخصیتوں کی کامیابی کا راز بھی اسی میں تھا کہ اُن کا اپنے آقا اور مولیٰ سے تعلق مستحکم تھا اور پھر اقامت دین کا شعور واضح تھا۔ ان شخصیتوں کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے پوری طرح بات نہیں بنے گی۔ مثالی شخصیتوں کی زندگی میں جن اسباب کیوجہ سے تحرک اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا ان اسباب کو بھی اختیار کرنا ضروری ہے۔

طوالت کے لیے معافی کا خواہاں ہوں۔ والسلام۔ احقر۔ محمد موسیٰ بھٹو

۱۱-۱۱-۱۹۹۱ء

برادرم موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا مفصل خط موصول ہوا۔ اس خط کو پڑھ کر میں دیر تک بیٹھا روتا رہا۔ جواب لکھنے کی کوشش کی، مگر ہمت نہ ہوئی۔ ایک طرف اس خط نے شدید اثر کیا اور دوسری طرف ذہنی الجھن بھی پیدا کر دی۔ میں اختصار کے ساتھ خط کے چند مندرجات پر اظہارِ خیال کرتا ہوں:۔

۱۔ ذکر و فکر کی اہمیت وضرورت سے کون ناواقف ہے۔ اس کے بغیر تعلق باللہ استوار نہ ہوگا۔ اور دوسرے لفظوں میں کردار میں حسن و جمال پیدا نہ ہوسکے گا

اعلیٰ کردار خشیت الٰہی سے ہی اجاگر ہوتا ہے۔ مولانا مودودی علیہ الرحمہ نے بار بار کارکنوں کو تعلق باللہ کے ذریعہ سیرت سازی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ قلب میں گداز اور روح میں سوز ہوگا تو اخلاص جنم لے گا۔ تواضع اور خاکساری مزاج میں شامل ہو جائے گی اور پھر زبان میں تاثیر کا زمزمہ نکلے گا۔ اسی کا نام نوائے دل گداز ہے ؎

بملازمان سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ توان جہاں گرفتن بہ نوائے دل گدازے

۲۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذکر و فکر کا طریقہ کیا ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ اور تابعینِ عظام اور ائمہ مجتہدین نے ذکر و فکر کی کیا مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک طریقِ صوفیائے کرام نے اختیار فرمایا۔ انھوں نے دنیا کے جھگڑوں اور ہنگاموں سے علیحدگی کا درس دیا اور گوشۂ تنہائی میں محاسبۂ نفس، بلکہ تعذیب نفس پر زور دیا۔ اس طریقے سے بھی اچھے اچھے صالحین بروئے کار آ گئے، مگر وہ اپنی انفرادی اصلاح تک محدود رہ سکے۔ نظامِ زندگی کی زمام کار ظالم اور دنیا پرست لوگوں کے ہاتھوں میں رہی اور شریعتِ اسلامی اپنے محاسن و فضائل کے باوجود معاشرے میں کوئی جلوہ نمائی نہ کر سکی۔

اسلام انفرادی پاکیزگی کے ساتھ اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف، احترامِ انسانیت اور آزادی و مساوات کے قیام کا داعی بھی ہے۔ اس لیے ذکر و فکر کا وہی اسلوب صحیح اور مطلوب ہے جو انفرادی زندگی میں اعلیٰ انسان پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی رذائل سے بھی لڑنے کا دم داعیہ پیدا کرے۔ مصلحینِ امت اسی دوسرے اسلوب پر زور دیتے رہے ہیں۔

۳۔ اصلاح کا جامع طریقِ کار (جو انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہو) اپنانے کے لیے کسی خانقاہ کے کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ یہ درست ہے کہ لوگ کسی جگہ بیٹھ کر "تقریبِ ذکر" منعقد کریں۔ اور اس تقریب کی شہرت اس قدر کر دیں کہ جب کوئی سائل یہ پوچھے کہ یہاں کوئی "اہل

Marfat.com

الذکر" میں سے ہے تو فوراً انگلی اٹھا کر بتا دیا جائے کہ فلاں شخصیت سے مل لو اور فلاں "میکدۂ الست" میں جا بیٹھو۔

۴۔ ذکر و فکر کے اثرات کا مظہر انسان کی عملی زندگی ہے۔ اخلاق میں پاکیزگی، معاملات میں دیانت و امانتداری، تعلقات میں اصول پرستی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں چستی، منکرات کے خلاف جوش و جذبہ، ظلم و ستم اور استحصال کے خاتمے کی جدوجہد اور اسلام کی شریعت کو بالاتر کرنے کے لئے ہر نوع کی قربانی اگر ذکر و فکر سے فروغ پا رہی ہو تو یہ عین مطلوب ہے اور اگر محض ظاہری تراش خراش اور چند آسان سی باتوں کو اختیار کر لینے پر منحصر ہو تو ایسا ذکر و فکر ناکافی ہے۔ اجتماعی تبدیلی کے علمبردار اس سے وہ سوز و ولولہ حاصل نہیں کر سکیں گے جو فراعنہ سے ٹکرانے کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ ذکر و فکر کے اثرات اگر ہمیں تلاش کرنے ہوں تو اس کی بہترین مثال وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی محفل میں فرمایا کہ ابھی تمھارے پاس ایک آدمی آئے گا۔ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ اس کے بعد ایک صحابی آئے۔ دوسری بار بھی آپؐ نے یہی فرمایا اور پھر وہی صحابی آئے۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے اس صحابی کا تعاقب کیا جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کے بعد آجاتے تھے۔ کیوں کہ اسی کے بارے میں لوگوں کا خیال ہوا کہ وہ "اہلِ جنت" میں سے ہے۔ تعاقب کرنے والے کا منشا یہ تھا کہ اس شخص کا وہ عمل دریافت کیا جائے جس نے اسے جنت کا مستحق ٹھیرا دیا ہے۔ چنانچہ ٹوہ لگانے والا شخص اُس کے گھر گیا اور حیلے بہانے اس سے یہ اجازت لے لی کہ اس کے گھر میں دو تین راتیں گزارے۔ گھر والا شخص ایک عام مسلمان تھا۔ فرض نمازوں کو ادا کرتا، دن میں کام کاج کرتا اور رات کو سو جاتا اور اٹھ کر فجر کی نماز ادا کر لیتا۔ ٹوہ لگانے والا حیران رہ گیا کہ اس کے اندر کوئی نمایاں بات نہیں ہے۔ چنانچہ آخر اس نے اس سے دریافت کر لیا کہ تم کون سا عمل

کرتے ہو جس سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک کے مطابق تم اہل جنت میں سے ہو۔ اس نے جواب دیا: میرے پاس کوئی خاص عمل تو نہیں ہے، البتہ "لا اغش احداً" (میں کسی سے فریب نہیں کرتا) اور میرا سینہ حسد وکینہ سے پاک ہے۔

۶۔ جماعت اسلامی کے اندر آپ کو اب اہلِ ذکر کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کمی کا شکار ہیں بس دفتر میں آ بیٹھتا ہوں، فرائض صلوٰۃ وصیام ادا کر لیتا ہوں۔ سجدے بے ذوق اور قیام بے خشوع ہوتا ہے۔ یہ مفلوک الحالی کبھی پریشان بھی کر دیتی ہے۔ دفتر سے اٹھتا ہوں تو بیرونی دوروں پر نکل جاتا ہوں اور تحریکِ اسلامی پاکستان کی تاریخ طریقِ کار اور مسائل و وسائل پر تقریریں جھاڑتا رہتا ہوں۔

البتہ دوسری طرف میں جماعتی حضرات اور خصوصاً نوجوانوں کی ایسی ٹیمیں دیکھ رہا ہوں جو قربانی کے جذبے سے بھرپور ہیں۔ وقت کی قربانی، مال کی قربانی اور پھر جان کی قربانی۔ طاغوتی نظام کے خلاف وہ ہمہ وقت طیش میں ہیں۔ افغانستان کے میدانوں میں جہاد کرتے ہیں، کئی ان میں سے شہادت کا جام نوش کر گئے، کشمیر کا جہاد بھی ایسے ہی نوجوانوں کے دم قدم سے جاری وساری ہے۔ کراچی میں قوم پرستوں اور جاہلیت کے علمبرداروں کے خلاف انھوں نے مورچہ لگا رکھا ہے اور روزانہ چڑیوں کی طرح گولیوں سے اڑائے جا رہے ہیں۔ میرے نزدیک ایسے نوجوان ولی اللہ ہیں۔

۷۔ منصورہ میں آپ دو تین روز رہے اور آپ کو اہل الذکر نہیں ملے۔ ان معنوں میں تو منصورہ اہل الذکر سے خالی ہے جن معنوں میں لوگ تھانہ بھون، شیرانوالہ گیٹ اور دوسری مشہور و معروف خانقاہوں میں اہل الذکر کو دیکھتے تھے منصورہ انسانوں کی بستی ہے۔ بشری کمزوریاں یہاں بھی ہیں۔ تاہم ماحول کا یہ دباؤ قائم ہے کہ یہاں خرابی نہ ابھرے اور اگر ابھرے تو اس کا احتساب ہوتا رہے۔ وعظ و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ اور بعض ایسے دل جلے بھی یہاں آ جاتے ہیں

Marfat.com

جو عیوب کو گن گن کر ہمارے سامنے یا مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ عیوب کی توفیق عطا فرمائے۔

۸۔ مجھے آپ سے محبت بھی ہے اور شکوہ بھی۔ محبت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا ہے اور لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ شکوہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے کچھ ذاتی مسائل کی وجہ سے تحریک اسلامی کے کاروان سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے۔ خوش بخت اور دانا (جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیّس کہا ہے) وہ ہے جو کاروان کے اندر شامل رہتا ہے۔ اپنی کوتاہیوں پر بھی نظر رکھتا ہے اور ساتھیوں کی غفلتوں پر بھی انھیں آگاہ کرتا رہتا ہے، مگر جذبات میں آکر اس بکری کی طرح نہیں ہو جاتا جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔

۹۔ میرا اور آپ کا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے رفقاء کی بہبودی کی خاطر جو بھی انھیں نصیحت کر سکتے ہوں کرتے رہیں۔ میں آپ کی نصیحت، مشورے اور تجاویز کا ہر وقت خیر مقدم کروں گا۔

والسلام
خاکسار

خلیل احمد حامدی۔ منصورہ لاہور

۲۰ر نومبر ۱۹۹۱ء۔

محترم جناب گرامی قدر مولانا خلیل احمد حامدی صاحب

السلام علیکم مزاج شریف

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ راقم آپ کا بےحد ممنون ہے کہ آپ نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر جواب عنایت فرمایا اور تفصیل سے اپنے نکتۂ نگاہ سے آگاہ کیا۔

چوں کہ راقم نے دردِ دل کے ساتھ معروضات پیش کی تھیں، آپ نے بھی اسی جذبے اور محبت کے ساتھ جواب دیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایک دوسرے کی دلی کیفیات، جذبات اور مسائل کو سمجھ کر استفادہ کی صورت پیدا ہو۔ راقم آپ کے جذبے اور محبت کو دیکھ کر اس سلسلے میں کچھ مزید نکات پیش کرنا چاہ رہا ہے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ آپ کو، مجھے اور سب کو راہِ ہدایت نصیب فرمائے۔

راقم کو اس بات سے ازحد خوشی ہوئی کہ آپ اقامتِ دین کی جدوجہد کیلئے ذکر و فکر کو انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسی سے سیرت و کردار میں پختگی اور بہتری پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو قلب میں گداز اور روح میں سوز پیدا ہوگا اور نہ ہی مزاج میں تواضع اور خاکساری کے جذبات پیدا ہوں گے۔ جب ذکر و فکر کی حیثیت اتنی مسلمہ ہے تو جماعت کے اجتماعی نظام میں ذکر و فکر کا اہتمام و انتظام کرنا کہ کارکنوں کی وہ حالت ہو جائے جسے قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ کی آیت میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ انتہائی ضروری ہے۔ اقامت دین کی ساری جدوجہد کا انحصار قلب و روح کو زیادہ سے زیادہ ذکر و فکر کی خوراک مہیا کرنے پر منحصر ہے۔ جہاں تک درسِ قرآن اور درسِ حدیث اور خالص دینی تقاریر کا تعلق ہے تو یقیناً یہ بھی ذکر ہی کا حصّہ ہے اور جماعت کے انتظامی نظام میں اس کا کسی نہ کسی حد تک انتظام موجود ہے۔ لیکن ظاہر ہے قرآن و حدیث کا درس یا مطالعہ مختصر، محدود اور متعین وقت کیلئے ہی ہو سکتا ہے جب کہ قرآن کا مطالبہ ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ کثرت کے ساتھ یہ ذکر اس لیے بھی ضروری ہے کہ شیطان ہر وقت اپنے پورے ساز و سامان سے حملہ آور ہوتا ہے۔ فرد جوں ہی ذکر سے غافل ہوتا ہے یا ذکر کے گہرے اثرات قلب و جگر کا حصّہ بنے ہوئے نہیں ہوتے، شیطان فرد کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بے عملی، شریعت کے احکامات سے غفلت، حبِ جاہ حبِ مال، حرص و ہوا اور انا کی قوتیں فرد کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اگر اقامت دین کا کام اس طرح ہو کہ ذکر کی خوراک کی شدید قلت کی وجہ سے نفسی و نفسانی جذبات، جذبۂ شہرت و ریا اور حسد وغیرہ بھی اس جدوجہد

Marfat.com

کے پہلو بہ پہلو مزاج کا حصہ بنتے چلے جاتے ہوں تو ظاہر ہے یہ خسارہ کا سودا ہے
راقم نے ذکر و فکر کے حوالے سے جو معروضات پہلے خط میں پیش کی تھیں اور
جماعت کے اجتماعی نظام میں بہتری کے لیے جو گزارشات کی تھیں وہ در اصل
راقم کے جماعتی زندگی کے طویل تجربات اور مشاہدات کا حاصل تھا۔ آپ جانتے
ہیں کہ یہ عاجز ۱۵ سال تک جماعت کی اجتماعی زندگی کا حصہ بن کر رہا۔ اس دوران
راقم نے اپنے اندر اور اپنے حلقۂ احباب اور اپنے اعزا و اقربا (جو جماعت سے
وابستہ ہیں) کے اندر جو کمزوریاں محسوس کیں وہ ذکر کی ہولناک کمزوریوں اور
کمی کی وجہ سے تھیں۔ راقم اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ ۱۵ سال تک کتابوں اور
اخباری مضامین کے ذریعہ اقامت دین کا کام تو بہت کیا، قوم پرستوں اور
سیاسی میدان میں غلط عناصر کا بھی تحریر کے ذریعہ مقابلہ ہوتا رہا۔

راقم کے مضامین اس وقت قومی سطح پر بڑے ذوق و شوق سے پڑھے
جاتے تھے اور اخباری مضامین اور اپنی تحریروں کے معیار کو قائم رکھنے کے لیے
فی الواقع بڑی محنت بھی کرنی پڑتی تھی اور اس سارے کام کو یہ عاجز اقامت
دین کا کام ہی سمجھ کر کرتا تھا۔ لیکن اندرونی حالت یہ تھی کہ دل کی دنیا ویران
تھی، نمازیں خشوع و خضوع مفقود تھا۔ مضامین اور کتابوں کی اشاعت میں
درونِ خانہ ایک جذبہ یہ بھی کام کرتا تھا کہ مجھے داد ملے اور شہرت حاصل
ہو۔ اختلاف رائے کو دشمنی کا رنگ دینا، اپنے عیوب سے زیادہ ہر وقت دوسرے
کے عیوب پر نظر رکھنا، سارا دن دوسروں کے عیوب بیان کرنے کے لیے موقع و
محل تلاش کرنا، دوسروں کی طرف سے مضامین پر داد دینے میں کوتاہی واقع
ہو تو اسے شدت کے ساتھ محسوس کرنا، بلکہ رنجیدہ ہونا، اکرام میں کمی ہو
تو اسے بُرا منانا، یہ ساری بیماریاں راقم کے اندر شدت کے ساتھ موجود تھیں

Marfat.com

اور دوسرے حلقۂ احباب میں کم و بیش اس طرح کی بیماریاں محسوس ہوئیں۔ اگر اللہ فضل نہ فرماتا تو وہ وقت بہت قریب تھا کہ ان بیماریوں کا ادراک اور شعور ہی ختم ہو جاتا اور اللہ کا وہ قانون لاگو ہوتا جس کے تحت مسلسل گناہ کرنے کی وجہ سے فرد کا ضمیر مُردہ ہو جاتا ہے۔ (اگرچہ راقم اب بھی ان سے محفوظ نہیں، تاہم ان امراض سے بچنے کی فکر ضرور دامن گیر ہے)۔

راقم یہ بیان کرنا بھول گیا کہ اس وقت غلط نظریات کے علمبرداروں کے خلاف اور اقامت دین کے لیے راقم کی تحریری اور علمی جدوجہد اتنی تیز تھی کہ ہر وقت جان کو خطرہ لاگو رہتا تھا۔ ایک دوبار قاتلانہ حملہ بھی ہوا اور اس وقت کے سندھ کے وزیراعلیٰ نے کہا تھا کہ میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ خارجی میدان میں تو ہماری جدوجہد کا یہ رنگ تھا کہ جان کی پرواکیے بغیر کام ہوتا تھا۔ لیکن داخلی طور پر حالت یہ تھی کہ گویا یہ سارا کام اللہ کے لیے نہیں بلکہ نفس کے لیے اور جذبۂ شہرت و داد کے لیے ہو رہا ہے۔ یا کم از کم جدوجہد برائے جدوجہد ہو رہی ہے۔ لیکن جب ایک اہل اللہ کی صحبت ہوئی تو قلب کے آئینے میں لگے ہوتے دھبے اور نشانات صاف طور پر نظر آنے لگے۔ اور اقبال کا یہ شعر نظروں کے سامنے گھومنے لگا ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ بھی نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ بھی نہیں

یقین جانیں کہ اس تفصیل کے بیان کرنے سے مقصود جماعت یا جامعی نظام پر تنقید نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ قلب کو ذکر و فکر اور صحبت صالحہ کے ذریعہ قابل ذکر حد تک مصفیٰ و مزکیٰ بنائے بغیر اقامت دین کے لیے جو جدوجہد ہو گی اس سے یقیناً ایک حد تک باطل کا مقابلہ ہو سکے گا اور بڑی حد تک دین کو تقویت بھی

Marfat.com

حاصل ہوگی۔ لیکن دین کی خدمت کا یہ کام محض اللہ کے لیے ہو اور آخرت میں احساس جوابدہی کے لیے ہو۔ یہ جذبات پوری طرح پیدا نہ ہو سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب اعمال کے پس پردہ اللہ کی رضامندی کے جذبات پوری طرح موجود نہ ہوں تو یہ کتنا خسارے کا سودا ہوگا کہ جدوجہد بھی ہوئی، جان، و مال اور وقت کی قربانی بھی ہوتی لیکن اللہ کا مقصود حاصل نہ ہوا۔

راقم دردِ دل کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ دل کی تاریں بہت نازک ہیں۔ جب عدم کثرت ذکر و فکر سے دل کے تاروں کو ہلانے کے عمل کو روک دیا جاتا ہے تو پھر ہوتا یہ ہے کہ یہ تاریں خاموش ہو جاتی ہیں اور دل میں، سوز و ساز، رقت اور گداز پیدا نہیں ہونے پاتا۔ اب دین کا جتنا بھی علم حاصل ہو یا دین کے لیے کتنی ہی جدوجہد ہو، ان کا دل کے تاروں سے کوئی زیادہ تعلق نہیں رہتا اور دل کا مفتی فتویٰ دینا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اب دل کے نام سے دماغ یا زبان جو فتویٰ دیتی ہے۔ وہ "سب ٹھیک ہے" کا فتویٰ ہوتا ہے۔ یہ حالت کیوں کر پیدا ہوتی ہے محض اس لیے کہ ابتدا میں کثرت ذکر کے ذریعہ دل کو مصفّٰی اور مزکّٰی بنانے کے عمل سے غفلت برتی گئی۔

جان و مال اور وقت کی قربانیاں مختلف مقاصد کے لیے دی جاتی ہیں، دنیا پرست لوگ دن رات دنیا کمانے کے لیے وقت کی قربانیاں دیتے ہیں۔ وطن پرست اور قوم پرست وطنی اور قومیتی مقاصد یعنی اپنی قوم کی برتری کے لیے جان و مال کی قربانیاں دیتے ہیں۔ کمیونسٹ کمیونزم کے نظریے کی خاطر۔ اسی طرح ہمارے ہاں عام لوگ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یقیناً یہ قربانی جہاد اور جذبۂ شہادت کے برابر ہے۔ لیکن محض جذباتی طور پر جان و مال کی قربانی دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ اللہ کا استحضار اور اخلاص بھی ضروری ہے۔ اللہ کے استحضار اور اخلاص سے یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں ساتھ رہنے کا سلیقہ آجاتا ہے اور اجتماعی زندگی مفاسد سے بڑی حد تک محفوظ رہتی ہے۔ دل کو جذبات کی گرمی پہنچا کر ایک حد تک جان و مال کی قربانی کے لئے تو آمادہ کیا جاسکتا ہے لیکن جب تک دل کو ذکر و فکر اور صحبتِ صالحہ کی خوراک مہیا نہ ہو تب تک تہذیب نفس اور ضبطِ نفس پوری طرح نہیں ہوتا، قواعد و ضوابط اور تنظیم کے ڈسپلن کے ذریعہ جو تہذیب نفس ہوتا ہے وہ دراصل تہذیب نفس نہیں بلکہ تہذیب نفس کے نام پر کوئی اور چیز ہوتی ہے۔

یقیناً ہمیں اقامت دین کے لیے جان و مال کی قربانیاں دینے والے افراد کی ضرورت ہے۔ بالخصوص اس دور میں باطل سے مقابلہ اور اسلامی غلبہ کے لیے ایسے افراد کی شدید ضرورت ہے۔ اس جذبے کے فقدان کی وجہ سے باطل کی قوتیں غالب ہوتی جارہی ہیں۔ لیکن اس جذبے کی ساری آبیاری ایمان و یقین، ذکر و فکر اور محبت خداوندی سے ہی ہوسکتی ہے۔

موجودہ دور میں جماعت اسلامی کی جد وجہد ہر اعتبار سے قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے۔ جماعت اسلامی علاقہ پرست تحریکوں کا جس جرأت کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے اور دنیا بھر میں اسلام کے لیے لڑنے والوں کی دامے، درمے، سخنے جس طرح تعاون کر رہی ہے بلکہ دنیا بھر کی جہاد کی تحریکیں جماعت کی فکر سے جس طرح غذا حاصل کر رہی ہیں وہ معلوم و معروف ہے۔ اس پر جماعت اسلامی تبریک و تحسین کی مستحق ہے۔ لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب تک خارجی باطل سے معرکہ آرائی ہوتی ہے تب تک تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے اور جد وجہد میں رنگ قائم رہتا ہے لیکن جوں ہی خارجی باطل پس پردہ چلا جاتا ہے معاملہ اقتدار، عہدوں، پیسوں

Marfat.com

شہرت اور پبلسٹی میں حصہ رسدی کا ہوتا ہے وہاں سے ناکامی شروع ہو جاتی ہے۔
افغانستان میں اس وقت آپس کی جنگ جس میں سیکڑوں کارکن شہید ہوتے ہیں جس کی خبریں آئے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ کشمیر میں بھی آپس کی جنگ تیز تر ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ اس جدوجہد میں تزکیہ اور ذکر و فکر کو مطلوبہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ جہاد کو ہی ذکر و فکر سمجھا جاتا ہے۔ جب روح کو ذکر و فکر کی خوراک نہیں دی جاتی تو وہ تھک جاتی ہے اور مادی جسم اور مادی قوتیں روح پر غالب آجاتی ہیں جس سے فساد برپا ہوتا ہے۔

اتنی طوالت کے لیے راقم آپ سے معافی کا خواہاں ہے۔ چوں کہ تفصیل میں جائے بغیر اپنے موقف کی وضاحت مشکل ہے اس لیے اس سلسلے میں آپ سے مزید معافی چاہوں گا۔

صوفیاء کے یہاں ذکر و فکر کے جو طریقے مروج ہیں وہ دراصل دل کو ماسوا کی گرفت سے نجات دلانے اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ہیں تاکہ دل قرآن سے اخذ فیض کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جائے، ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، یہ قرآن ہر ایک کے لیے نصیحت نہیں ہے بلکہ اہلِ تقویٰ کے لیے ہی نصیحت ہے۔ چوں کہ قرآن کا علم فرد کو عالم بھی بنا دیتا ہے۔ اگر تقویٰ کے بغیر قرآن سے حصول کے لیے رجوع کیا جائے گا تو قرآن علوم کے خزانے دیدے گا۔ پھر عین ممکن ہے ان خزانوں کو اپنی علمی برتری کے لیے استعمال کیا جائے۔ اسی لیے قرآن نے کہا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔ یہ قرآن اس کے لیے نصیحت ہے جس کا دل (زندہ) ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت قرآن و سنت کے نام پر جو تصادم اور انتشار ہے اور ایک دوسرے کی تکذیب کا جو عمل شدت سے جاری ہے اس کا ایک اہم سبب یہی ہے کہ قرآن سے حصولِ فیض کی صلاحیت پیدا کرنے یعنی

Marfat.com

تقویٰ کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ۔

تصوف میں ذکر و فکر کے طریقوں کی جو حیثیت ہے وہ دراصل یہی ہے ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ، ذکر و فکر کے ان طریقوں سے کبر ، عجب ، حسد اور جذبۂ شہرت وغیرہ پر بڑی حد تک کنٹرول ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد جتنی علمی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی تواضع ، خاکساری اپنی ذات کی نفی اور تقویٰ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے ۔ تصوف میں صحبت اور ذکر و فکر کے طریقے کیوں کر ایجاد کیے گئے ؟ اصل میں ان کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ زمانہ جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے دور ہوتا چلا گیا ماحول مسموم اثرات سے زہریلا ہوتا گیا ۔ یہ مادی اثرات قلب کی گہرائیوں میں داخل ہوتے چلے گئے ۔ اب لوگوں کو زہریلے مادی اثرات سے ایک حد تک نجات دلانے اور قلب کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے ہی ذکر و فکر کے طریقے ایجاد ہوئے ۔ ان کی وجہ سے قرآن و سنت اور شریعت پر عمل کرنے میں آسانی رہی اور ۱۲ سو سال تک امت کے کروڑہا انسانوں کی اس طرح سے اصلاح ہوتی رہی ۔

آپ نے اس سلسلہ میں جو اشکالات بیان فرمائے ہیں وہ دراصل تصوف کے نظام کو قریب سے نہ سمجھنے یا حقیقی تصوف کے نام پر جعلی تصوف کے اثرات کا نتیجہ ہے ، اس موضوع پر موجودہ دور کے ایک اہل اللہ اور مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بہت عمدہ بحث کی ہے ۔ آپ کے ملاحظہ کے لیے ان کا طویل اقتباس پیشِ خدمت ہے ۔

" مذاہب ، اخلاقیات ، تعلیم و تربیت ، اصلاح و تجدید اور علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں ۔ ایک جب کہ وسائل مقاصد بن جاتے ہیں ۔ دوسرے جب اصطلاحات

Marfat.com

حقائق کے لیے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصد عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی، لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات مقاصد حقائق کے لیے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پر ایک ضرورت کی تکمیل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح زور دیا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے ان سے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا ہی حکم دیتا ہے۔ وہ ان کا محکوم ہونے کی بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب سے آگے بڑھنے نہ پائیں کہ بجائے مفید ہونے کے مُضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سدِّ راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔

لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ان مقاصد عالیہ کو یہ ابتلاء بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بناء پر جو ان اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوتیں ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو، اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد اور حقائق ہی سے ایسی وحشت اور بیزاری پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا۔ جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی یا ان کو ان کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تو وسائل کے وہ پہاڑ ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے جن کے

Marfat.com

بارے میں خام اور غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا اور ہر شخص سے ان کے بارے میں بے جا اصرار کیا تھا اور وہ انہیں میں ایسے الجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور جو بدیہات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کے لیے حجاب بن گئے جن کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول، مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانہ میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کے لیے اور خاص مصالح کے ماتحت وضع کیے گئے تھے۔ ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے نا آشنا تھے، انھوں نے ان حقائق کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کے لیے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کیے تھے۔ صرف، نحو، قواعد زبان علوم و بلاغت سے لیکر حقیقت و معرفت، اصلاحِ باطن، تزکیۂ نفس تک جس کی تاریخ دیکھی جائے اور اس فن کے متقدمین اور متاخرین کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ حقیقت سب جگہ نظر آئے گی کہ متقدمین وسائل پر حاکم متاخرین ان کے محکوم محققین حقائق کے داعی و مبلغ اور غیر محقق پیرو اصطلاحات کے پرستار اور ان کے اسیر و گرفتار ہیں۔ یہ مقاصد عالیہ دینیات اور اخلاقیات اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ اور ان کے طالبین کے لیے امتحان و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دور میں پیش آیا ہے۔

تصوف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس مقصد و حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے۔ لیکن اس کو انہیں دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لینا دوسرے

Marfat.com

اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بیجا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بغض اور کینہ، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ اور دوسرے اخلاقِ ذمیمہ سے نجات پانا، نفسِ امّارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں۔ نماز میں خشوع و خضوع، دعا میں تضرع و ابتہال کی کیفیت، محاسبۂ نفس کی عادت اور سب سے بڑھ کر اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، حسّی حلاوت و لذّت کا حصول یا کم سے کم اس پر شوق و اہتمام، صفائی معاملات، صدق و امانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا، غصّہ بآپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجہ میں مطلوب ہے یا نہیں۔ تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصّب کی پٹّی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب دے گا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور احادیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوتے ہیں، لیکن اگر کہا جائے کہ انہیں صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریقِ عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائے گی، اس لیے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض بزخود غلط علمبرداروں اور دعوے داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظہ میں اس وقت وہ واقعات ابھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ کرنے پر یا ان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن یہ صرف تصوف ہی نہیں ہر علم و فن ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اس کے حاملین و عاملین میں اور اس کے داعیوں اور دعوے داروں میں اصلی و مصنوعی، محقّق و غیر محقّق، پختہ و خام، یہاں تک کہ

Marfat.com

صادق ومنافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے کہ تجارت ہو کہ زراعت، صنعت ہو یا ہنر، ہر ایک میں کامل و ناقص اور رہبر و رہزن دونوں پائے جاتے ہیں لیکن دین و دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دستبرداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے :۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

تصوف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس مجموعہ کو کوئی نام دے دیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔

ہم نے اوپر جن مقاصد و صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم تصوف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے اس کو قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ، حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متاخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اور یہ سب چیزیں

Marfat.com

منصوص ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ زبانِ خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے روکا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ واحسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں، علوم وفنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروجہ اصطلاحات سے پر ہے۔ محققینِ فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا اسی طرح انھوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح ومغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کے لئے مُضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخِ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گزرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہلِ تحقیق نے مغز و پوست، حقائق واشکال اور مقاصد ورسوم میں فرق نہ کیا ہو۔

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لیکر مجدد الفِ ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر ولباب مقصود وغیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسومات وعادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہو گئی تھی اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزو سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین۔ یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوباتِ امام ربانی ہوں۔ یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات، یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراطِ مستقیم۔ حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات ہوں یا مولانا تھانویؒ

Marfat.com

کی تربیت السالکین و قصد السبیل، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انھوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انھوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

"نسبت صوفیاء کبریت احمر است و رسوم ایشاں ہیچ نیرزد"

(صوفیاء کرام کی نسبتِ باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور کیمیا ہے لیکن ان کے رسوم جن کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔

ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھ کر تصوّف کے قائل اور معتقد ہوئے اُن میں ہم نے تصوّف و طریقت ہی کا نہیں دین و شریعت کا لُبِّ لُباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبویؐ کا پرتو، ان کے معاملات و اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اس کی ترازو میں تلی ہوئی دیکھی، ان کو ہمیشہ مقاصد و وسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا۔ رسوم سے بے پروا و بے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباعِ سنّت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا۔ وہ اس فن کے مقلّد نہیں بلکہ مجتہد تھے۔ جو اپنی خداداد بصیرت طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے

Marfat.com

اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل و حالات کا پورا لحاظ رکھتے، ان کی شان اس کے بارے میں مجتہدِ فن، اطباء واضعینِ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور رٹے ہوئے سبق کا دہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح، معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبطِ نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضاءِ الٰہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبتِ شیخ حتیٰ کہ بیعت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے، اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن کاہ برآوردن کے مترادف ہے اور اس شعر کے مصداق کہ:-

خواجہ پندارد کہ مردِ اصل است
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(حوالہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

مولانا کا یہ اقتباس کافی طویل ہوگیا، لیکن انشاءاللہ افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تصوف خانقاہی سسٹم کو جنم دیتا ہے اور دعوت اور جذبۂ جہاد کو ختم کر دیتا ہے۔ میں آپ سے دردِ دل سے عرض کروں گا کہ آپ اس بات پر مزید غور فرمائیں کہ پچھلے ۱۲ سو سال میں اسلامی تاریخ میں اسلام کو جو خطرات درپیش آئے ان کا زیادہ تر مقابلہ اہلِ تصوف نے ہی تو کیا ہے۔ جب یونانی فکر نے اسلامی فکر کا گھیرا تنگ کر دیا تھا۔ اور امت کے ذہین ترین لوگ اس فکر کے سحر میں مبتلا ہو رہے تھے، اس وقت امام غزالیؒ نے "تہافۃ الفلاسفہ" کتاب لکھ کر جس طرح اس فکری سیلاب کے سامنے بند باندھا اور اس کا مقابلہ کیا، وہ تاریخ کی معلوم حقیقت ہے۔ اسی طرح جب برصغیر ہند میں مسلمان حکمران دعوتی کام سے

Marfat.com

غفلت اور دنیا پرستی میں مبتلا ہو گئے اور یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہاں مسلمان ہندو اکثریت میں ضم ہو کر رہ جائیں گے تو اس وقت یہ نظام الدین اولیأ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جن کے فیضِ نظر سے لاکھوں سے زیادہ ہندو جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے۔ اس طرح برصغیر ہند میں مسلمان قابل ذکر اور مؤثر اقلیت کی حیثیت اختیار کر گئے۔

پھر جب ہندو دانش وروں کی عیّاری اور بعض علمائے سوء کی شرارتوں سے اکبر نے دینِ الٰہی کے نام پر مسلمانوں پر ہندی تہذیب کو مسلط کرنا چاہا اور اسلامی تہذیب کے اثرات کا قلع قمع کرنا چاہا۔ اس کے لیے پوری ریاستی مشنری استعمال ہونے لگی تو اس وقت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنھوں نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور برصغیر کو اسلامی تہذیب کے خاتمہ اور ہندی تہذیب کے غلبہ سے بچا لیا۔

اس سلسلے میں مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عظیم الشان کردار ادا کیا اس موضوع پر تو اب بہت سی تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اسی طرح شاہ ولی اللہؒ، محدث عبدالعزیز دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم نے تحفظِ اسلام کے لیے جو کردار ادا کیا ہے وہ اتنا اہم اور روشن ہے کہ اگر یہ شخصیتیں اپنا اپنا کردار ادا نہ کرتیں تو معلوم نہیں ہماری حالت کیا ہوتی۔

بہر حال یہ عاجز مزید تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ مقصود یہ ہے کہ ذکر و فکر کے ذریعہ دل کی دنیا کو آباد کیے بغیر اقامتِ دین کی جد و جہد نہ تو نفسی مفاسد سے بچ سکتی ہے اور نہ ہی اس میں برکت اور تاثیر ہوتی ہے۔ یہ نکتۂ نگاہ صحیح نہیں ہے کہ اقامتِ دین اور جہاد سے از خود ذکر کے مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ نہ کہا جاتا۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ تم اور تمہارے بھائی (فرعون کے پاس)

Marfat.com

بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ — جاؤ میری نشانیاں لیکر، اور دیکھنا میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ — پھر جب آپ (دعوتی کاموں سے) فارغ ہو جائیں تو محنت کریں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔

اسی طرح یہ آیت ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ — اے ایمان والو! جب تمھاری مڈبھیڑ ہو جائے کسی دشمن فوج سے تو ثابت قدم رہو (اور قدم جما کے جنگ کرو) اور اللہ کا ذکر کرو، امید کہ تم فلاح یاب ہو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عملی جد وجہد اور جہاد کے لیے بھی ذکر کی ضرورت ہے جہاد از خود ذکر نہیں۔ ہمارے لیے سب سے مقدم آخرت کی زندگی بنانا ہے۔ آخرت کی زندگی اخلاص اور تواضع کے ساتھ دین کی خدمت کرتے رہنے سے ہی بنتی ہے اخلاص اور تواضع ذکر وفکر اور معاشرے میں چھوٹا بن کر رہنے سے آتی ہے۔

آپ نے خط میں شکوہ کیا ہے کہ میں نے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ آپ کی یہ بات اس حد تک تو صحیح ہے کہ میں قانونی طور پر نظم جماعت کا باقاعدہ حصہ نہیں، لیکن میرا دل جماعت کے ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ ہے۔ آپ جب بھی ضرورت محسوس فرمائیں گے انشاء اللہ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ میں اس وقت ذاتی اصلاح کے ایسے مرحلے میں ہوں جس میں خود احتسابی کی بجائے تنقید کی روش نقصان سے خالی نہیں۔ میری تحریر سے اگر آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں دل کی گہرائیوں سے آپ سے معافی چاہوں گا۔ میرا مقصود دل آزاری

یا تنقید ہرگز نہیں بلکہ یاددہانی ہے۔ یہ یاددہانی اپنے لیے بھی ہے تو دوسروں کے لیے بھی۔ بلکہ سب سے زیادہ یاددہانی کا مستحق تو میں خود ہوں۔

امید ہے کہ آپ میری تلخی پر معاف فرمائیں گے۔

خدا کرے آپ کے مزاج بخیر ہوں۔ والسلام

احقر۔ محمد موسیٰ بھٹو

۳۱ راکتوبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب سلامت باشد!

السلام علیکم .... "داعی اور دعوت کا کام" کا نسخہ عطا کرنے کا شکریہ۔ نہایت کارآمد مشوروں سے پُر کتاب ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور آپ کے الفاظ میں برکت ڈالے اور مسلمان موعظۂ حسنہ کے مطابق اسلام کو دوسروں تک پہنچائیں.......... جو حالات قبل اسلام کے دوران تھے وہی حالات اب پھر نظر آرہے ہیں۔ اسلام کی عالمگیر کامیابی کا راز مل بیٹھ کر دوستانہ ماحول میں تبادلۂ خیال میں مضمر تھا۔ آج بھی یہی ہونا چاہیے۔ آج کے دکھوں کا علاج نفاذِ اسلام میں ہے۔ نفاذِ اسلام کا آغاز اسلام کو دلائل و براہین کی روشنی میں پیش کرنے کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کرے ہم یقین سے مالامال فریضۂ دعوت کو ادا کر سکیں۔ آمین۔ والسلام

بریگیڈیر گلزار احمد[1]

۴۔ الف۔ گلستان کالونی۔ راولپنڈی

---

[1] بریگیڈیر گلزار احمد صاحب اسلام اور ملت کے مسائل پر لکھنے والے چند اہلِ قلم میں سے ہیں ان کی تحریریں نہایت پُرمغز ہوتی ہیں۔

Marfat.com

بخدمت جناب محمد مومنی بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جمعہ کے جنگ میں آپ کا مضمون دیکھا اس کے علاوہ نوائے وقت میں بھی سندھ کے حالات پر شایع ہوا ہے بلکہ اب اکثر مضامین اس موضوع پر شایع ہوتے ہیں۔ یہ اچھی اور نیک خبر ہے کہ اس طرح اردو داں طبقہ حالات سے واقف ہو رہا ہے دوسرے یہ کہ اب حکومت و عوام مسئلہ کی سنگینی سے واقف ہی نہیں بلکہ معترف بھی ہیں۔

ڈویوم بیشتر سندھ کے منسٹر صاحب کا بیان تھا ان سب میں مشترکہ بات یہ ہے کہ سب ہندو لابی اور بھارت کو ذمہ دار جانتے ہیں۔

جمعہ کو ایک خبر بھی اسمبلی سے متعلق ہے کہ سرحدی علاقہ میں بھارت کا شائع کردہ اسکول کا نصاب پڑھایا جا رہا ہے اور بھارت کی کرنسی میں لین دین ہو رہا ہے یہ چھوٹی سی خبر حد درجہ خوفناک اور خطرناک ہے۔ اس پر توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اخبارات و ہفتہ وار رسائل کا بطور خاص مطالعہ ضروری ہے کہ اس قسم کے مضامین اور خبریں یکجا کر کے بعد تدوین کتب و رسائل کی صورت میں شایع کرایا جائے۔

نشر و اشاعت کا سلسلہ متواتر اور مسلسل جاری رہنا ضروری ہے۔ آپ کی توجہ کتب پر مبذول ہے جبکہ مختصر رسائل کو فوقیت ہے اس کا حل یہ ہے کہ ابتداً ایک دو کاپی کے رسائل شایع ہوں بعد میں ان کا انتخاب یکجا کر کے کتاب کی صورت میں ہو جائے۔

والسلام۔ احقر زمان۔ محمد منصور الزماں[1]

لسبیلہ چوک۔ نشتر روڈ کراچی

---

[1] محمد منصور الزماں صدیقی صاحب پاکستان میں خیر اور نیکی کے کاموں کی علامت ہیں۔ ایک

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) فرد اپنی ذات میں کس طرح انجمن ہوتا ہے کسی کو اگر یہ دیکھنا ہو تو وہ محمد منصور الزماں صدیقی کو دیکھ لے۔ محمد منصور الزماں صدیقی صاحب ایک فردِ واحد ہو کر اتنا بڑا ادارہ چلا رہے ہیں کہ اسے دیکھ حیرت ہوتی ہے۔ اس وقت جب کہ ان کی عمر اسّی برس کے لگ بھگ ہے۔ وہ سولہ ۱۶ سے اٹھارہ ۱۸ گھنٹہ ٹک کام کرتے ہیں۔ وہ رسلے اور کتابیں چھاپتے ہیں۔ دنیا بھر کے پسماندہ علاقوں میں قرآن مجید اور دینی کتابیں مفت بھیجتے ہیں۔ دینی مدارس کے ساتھ مالی تعاون کرتے ہیں۔ پاکستان کے پسماندہ علاقوں میں خود دینی مدارس قائم کراتے ہیں۔ افغان کشمیر جہاد میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ غرض اس طرح کے بیسیوں دینی کام ہیں جو وہ اس عمر میں کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ دینی معلومات فراہم کرنے اور رسائل کے محاذ پر جو کام کر رہے ہیں وہ ان کی ذہانت، بصیرت و بصارت، وسعت مطالعہ اور وسعت نظری کا بین ثبوت ہے! اس دور میں جبکہ کوئی شخص اپنے دائرے، خول اور مسلک سے باہر نکلنے کے لیے تیار نہیں منصور الزماں صاحب اپنے ادارے سے ہر مکتبہ فکر کے صاحب علم افراد کے رسائل اور کتابیں شائع کرتے ہیں اور وہ عملاً کسی کے ساتھ منسلک نہ ہوتے ہوئے بھی سب کے ساتھ ہیں۔ اس دور میں ہماری دینی اور مذہبی شخصیتوں نے ایک اہم روایت کو ختم کر دیا ہے وہ روایت خط کا جواب دینا ہی آپ سیکڑوں علما کو خطوط لکھیں شاید ہی کسی عالم کی طرف سے جواب آئے۔ محمد منصور الزماں صدیقی نے خطوط کا جواب دینے کی بھی ایک حیرت انگیز روایت قائم کی ہے ان کو اگر کوئی بچہ بھی خط لکھے تو وہ اس کو جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی روزانہ کی ڈاک ۵۰، ۱۰۰ خطوط سے کم نہیں وہ عام طور پر خط کا جواب خود ہی دیتے ہیں۔ محمد منصور الزماں صدیقی صاحب کا سالانہ بجٹ پچاس ساٹھ لاکھ روپے کا ہے۔ اتنا بڑا دینی کام کرنے والا شخص نہ تو باقاعدہ کسی دینی مدرسہ سے پڑھا ہے نہ اسکول اور کالج سے۔

هذا من فضل ربي

Marfat.com

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء

بخدمت جناب محمد موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۱۳ اکتوبر کا خط ملا۔

تبلیغی جماعت کی خدمت عظیم خدمت ہے تاہم حالات کے مطابق اور بیرونی ممالک کی ضروریات کے مطابق طریقِ کار میں انتظامی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ستر برس قبل کا وہ نظام جو میوات کے دیہاتوں سے شروع ہوا تھا وہ طرز آج بھی جاری ہے زمانہ کے مطابق اس میں ضروری انتظامی تبدیلیاں ناگزیر ہیں جبکہ بنیادی اور اصولی طریقِ کار بہر صورت یہی ہیں کہ جو قرنِ اولیٰ سے جاری ہیں۔ .... ایک کتاب تبلیغی جماعت کے سلسلے میں ارسال ہے جو میں نے مطالعہ نہیں کی ہے ممکن ہے آپ کے لیے مفید ہو۔

دعائے خیر کا طالب ہوں۔ والسلام۔ احقر

محمد منصور الزماں صدیقی

صدیقی ٹرسٹ کراچی

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب محمد اختر[۱] صاحب

السلام علیکم .... مزاج شریف

آپ کا ۲۱ اکتوبر کا عنایت ملا۔ سعودی دوست احمد شفیع کے انتقال کی خبر

---

[۱] محمد اختر صاحب ظہران یونی ورسٹی (سعودی عرب) میں پروفیسر ہیں۔ وہ شروع سے تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ تبلیغی جماعت کے دستور ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ راقم کے نام ان کے سیکڑوں صفحات کے خطوط محفوظ ہیں جو خود

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سُن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ہمیں موت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ زندگی تو حقیقتاً ایک خواب کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اتنی مختصر سی خواب والی زندگی پر دائمی کامیابی اور ناکامی کا دارو مدار ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو خواب سے بیدار ہیں اور دائمی زندگی کے لیے ہمہ وقت متفکر ہیں۔ متقی انسانوں کی موت واقعتاً مضطرب کرنے والی ہوتی ہے۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ چلہ میں جو باتیں بزرگوں سے سنیں، اُن کو میں نے ایک حد تک نوٹ کر لینے کی کوشش کی ہے۔ کچھ اہم اور بنیادی نکات لکھ رہا ہوں تاکہ میرے لیے، آپ کے لیے اور دوسرے اصحاب کے لیے یاد دہانی ہو جائے۔

(۱) جس دل میں انا داخل ہوگی اُس دل میں خدا کی خدائی داخل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ "میں کی خدائی دل میں خدا کی خدائی داخل کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے"۔

(۲) جو شخص دل کے یقین کے ساتھ دعوت کا کام کرے گا وہ مضبوط ہوگا اور جمے گا۔ (۳) جو روزانہ دعوت دے گا اس کے پاکیزہ جذبات بنتے رہیں گے اور جو دعوت کا کام کرنا چھوڑ دے گا اس کے جذبات ٹوٹتے رہیں گے۔

(۴) جو دعوتی ماحول میں رہے گا وہ جمے گا اور جو ماحول سے کٹے گا وہ کٹ جائے گا۔ (۵) جو کسی کے عیب دیکھے گا وہ دعوت کے کام سے محروم ہو جائیگا۔ جو دوسروں کی اچھائیاں دیکھے گا وہ دعوتی کام میں جم جائے گا۔ (۶) جو

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) جداگانہ کتاب کے متحمل ہیں۔ محمد اختر صاحب دعوتی کام کے لیے بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں، اتنا زیادہ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو پوری دنیا کو مسلمان بنا دیں ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ تبلیغی جماعت کے پیغام کو علمی اور صحافتی حلقوں تک پہنچایا جائے۔ اس سلسلے میں وہ خطوط کے ذریعہ دعوت کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

تو اضع اختیار کرے گا وہ دعوتی کام میں جم جائے گا۔ تکبّر کے ساتھ چلنے والا راہِ حق میں جم نہیں سکتا۔ (۷) بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی دعوتی کام سے محروم ہو جاتا ہے اور اس سے دین کی خدمت کی توفیق سَلب کر لی جاتی ہے۔ وہ گناہ یہ ہیں :-

غیبت ، اغراض پرستی ، تنقید ، بدنظری ، اور شہوت ۔ (۸) جو شخص خدمت ، توبہ اور استغفار کے ساتھ دین کا کام کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس راہ میں جمائے گا ۔ (۹) جو شخص دوسروں کی غلطیاں اپنے اوپر لے گا وہ دعوتی کام میں جمے گا ۔ جو شخص غلطیاں دوسروں کی طرف منسوب کرے گا وہ اس راہ میں جم نہیں سکے گا ۔ (۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافق بھی چلے مگر وہ نفع نہیں اٹھا سکے حتیٰ کہ ان کو ایمان بھی نصیب نہ ہوا ۔ (۱۱) جو دوسروں کی غلط باتوں کی تاویل کرے گا اور ان کی غلطیوں کو اچھے معنیٰ و مطالب کی طرف لے جائے گا وہ دعوت کے کام میں جمے گا۔ جو ہر بات کا الٹا مطلب لے گا وہ راہِ حق میں جم نہیں سکے گا ۔ (۱۲) جو شخص اللہ پاک سے ڈرتے اور مانگتے ہوئے چلے گا وہ جمے گا جمنے والے کو مانگنا پڑے گا ورنہ ہل جائے گا۔ مانگنے سے غفلت فرد کو متزلزل کر دے گی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی استقامت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی ، یا اللہ مجھے بت پرستوں کی بت پرستی سے بچا۔ حالانکہ ان سے بُت پرستی کا امکان بھی نہیں تھا۔ جب انھوں نے مانگا تو ہم کیا چیز ہیں ۔ (۱۳) جو شخص اخلاص کے ساتھ قربانی دے گا اللہ تعالیٰ اسے دین پر ہر حال میں قائم رکھے گا۔ ایسے موقعوں پر بھی جب لوگوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں گے ، اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی رضا نصیب فرمائے گا ۔

(۱۴) جو شخص یہ کہے گا کہ دین کا فلاں کام میری وجہ سے ہو رہا ہے وہ محروم

Marfat.com

ہو جائے گا۔ اور اس سے دینی کاموں کی سعادت سلب ہو جائے گی۔ جس شخص کے متعلق لوگ یہ سمجھیں گے کہ فلاں فلاں دینی کام اس کی وجہ سے ہو رہے ہیں، وہ نہ ہو تو یہ کام نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنے پاس ہی اٹھالیں گے۔

(۱۵) جو شخص پوری امت کے غم کو ساتھ لیکر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے قلب کی کیفیات اور قلب کے اثرات پورے عالم پر ڈالنا شروع کر دے گا۔

ان بنیادی اصولی رہنمائی اور ہدایات کے بعد اب وہ باتیں ملاحظہ ہوں جس سے دل جڑتے ہیں اور جن سے توڑ اور منافرت اور دوری پیدا نہ ہوگی۔ پانچ باتوں سے دل جڑتے ہیں۔ (۱) سلام کرنے سے (۲) اکرام کرنے سے (۳) ہدیہ دینے سے (۴) نام لیکر دعا کرنے سے اور (۵) پیٹھ پیچھے دعا کرنے سے۔ وہ باتیں جن سے انتشار پیدا نہ ہوگا۔ (۱) ساتھیوں کی اصلاح کی فکر مت کرو (۲) ساتھیوں کو اصولوں پر لانے کی کوشش مت کرو (۳) ساتھیوں کی خدمت کرو (۴) ساتھیوں کا اکرام کرو اور (۵) سب سے اہم بات یہ کہ خود اصولوں پر جمے رہو۔

ہمارے معاشرے میں دین داروں اور دینی حلقوں کے درمیان انتشار اور باہم رسہ کشی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ دینی کاموں کے دوران مذکورہ بالا بنیادی اصولوں اور نکات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

مولانا وحید الدین خاں صاحب کے نام آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کو میں نے بغور پڑھا، ماشاء اللہ آپ نے مولانا کو بہتر اسلوب میں دعوت کے عملی کام اور عملی تجربہ گاہ سے استفادہ کے لیے درخواست کی ہے۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب جیسی شخصیتوں کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ وہ علم ہی کو ایسی روشنی سمجھتے ہیں جو نفس اور شیطان کی طاقتوں سے معرکہ آرائی کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ پڑھی لکھی آبادی کے سامنے اسلام کو جدید سائنٹفک اسلوب

Marfat.com

میں دین کی دعوت پہنچانے سے ہمارا بنیادی مسئلہ حل ہو جائے گا اور دین کو درپیش چیلنج دور ہو جائے گا۔ یہ بات اس حد تک تو صحیح ہے کہ دین کی دعوت کو جدید سائنٹفک اسلوب میں پیش کرنے سے اسلام پر ذہنی اعتماد بحال ہوگا۔ اور اسلام کے حوالہ سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔ اس سے معاشرے کا ایک حد تک مسئلہ حل ہو جائے گا۔ لیکن لٹریچر سے ایمان کی قوت اور نفسوں کی اصلاح کا کام اور شریعت پر چلنے کی قوت بھی حاصل ہو، یہ بات تو عام طور پر لٹریچر کے دائرۂ کار سے باہر ہے۔ اس کے لیے تو لٹریچر کے ساتھ ساتھ خالص مذہبی اور دینی ماحول، اور صحبتِ صالحہ کی ضرورت ہے تاکہ طاقتور ماحول اور صحبت کے اثر سے دینی رنگ مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ بدقسمتی سے یہ وہ نکتہ ہے جو مولانا وحید الدین خان صاحب جیسی عظیم علمی شخصیتوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لٹریچر کو حرف آخر سمجھنے اور اصلاحِ احوال کے لیے مزید آگے نہ بڑھنے کا نتیجہ ہے کہ مولانا وحید الدین خان صاحب کا دعوتی اور علمی کام دوسروں سے تصادم اور محاذ آرائی میں بدل کر رہ گیا ہے اور مجددینِ امت پر تنقید کی وجہ سے ان کے کام کی افادیت کم ہو کر رہ گئی ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ علمی تنقید کا حق اہلِ علم کو حاصل ہے اور اس سے بند راستے کھلتے ہیں اور اسلام نے اس حق کو پوری طرح استعمال کیا ہے۔ لیکن مولانا یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اسلاف کی علمی تحقیق میں تردید اور تنقیص کا پہلو شامل نہیں ہوتا تھا وہ ہم عصر علماء کی فکر پر تنقید کرتے ہوئے تکریم کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی علمی تحقیقات اور تنقیدوں سے محاذ آرائی ہونے کی بجائے تفہیم دین کے راستے کھلتے تھے۔ دوم یہ کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی حیثیت مفتی کی سی نہیں ہے ان کی حیثیت داعی کی سی ہے۔ داعی کی راہ مفتی کی راہ سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ داعی دعوت کی راہ میں موجود کانٹوں سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ جان بوجھ کر

Marfat.com

محاذ آرائی کے ذریعہ اپنی دعوت کو متنازع نہیں بناتا۔ داعی کا پیغام تو سراسر محبت کا پیغام ہوتا ہے۔ مخالفوں کے لیے بھی اس کے پاس تردید، تحقیر اور تنقید کی بجائے محبت رواداری اور دعائیہ کلمات ہوتے ہیں۔ اب مولانا موصوف کو یہ نکات کیسے سمجھائے جائیں، وہ علم کے اس بلند مقام پر فائز ہیں کہ ہم جیسے عامی لوگوں کی دلائل اور معلومات سے خالی باتیں شاید ہی ان کو متاثر کر سکیں۔

بہرحال اس سلسلے میں آپ نے بہت بہتر اور مؤثر طور پر فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عطا فرمائے۔

والسلام

محمد موسیٰ بھٹو

۲۶ نومبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب محمد اختر صاحب

السلام علیکم۔ مزاج شریف

آپ کا ۱۱ نومبر کا عنایت نامہ ملا۔ جواب میں تاخیر ہو گئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ بعض اوقات دل پر توجہ کرنے سے قلب سے ذہن کی لہروں پر خیالات دوڑنے لگتے ہیں۔ یہ عاجز بعض اوقات ان خیالات کو نوٹ کر لیتا ہے۔ یہ خط انھی خیالات پر مشتمل ہے، اس کا مخاطب کوئی شخص یا خاص شخصیت نہیں۔ بلکہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کا سب سے زیادہ مخاطب میں خود ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

"سب سے پہلی چیز جو سیکھنے کی ہے وہ افرادِ معاشرہ کے ساتھ چھوٹا بن کر رہنے کی تربیت ہے۔ نفس کو مزکیٰ و مصفیٰ بنانے کے عمل کا چھوٹا بن کر رہنے سے گہرا تعلق ہے۔ بزرگوں کے ساتھ ایک عرصے تک خوردگی کی حیثیت سے تعلق قائم رکھے بغیر چھوٹا نہیں بنا جا سکتا۔ بزرگوں کے سامنے خوردگی کے مظاہرے کا مطلب ذہن کو گرویدہ رکھنا یا مفلوج کرنا نہیں بلکہ بڑائی کے اثرات کو زائل کرنا ہے

Marfat.com

جو شخص ہر معاملہ میں اپنے آپ کو چھوٹا ثابت کرنے کا مظاہرہ کرتا ہو، ایسا شخص اہل اسلام اور معاشرے کے لیے کبھی بھی مسئلہ نہیں بن سکتا اور اس کے علم، اس کی دولت، اس کی عزت و شہرت اور عہدے سے معاشرے کو فائدہ ہی حاصل ہوگا۔ نقصان نہیں۔

اہل اسلام میں فتنہ اور انتشار اس وقت برپا ہوتا ہے جب با صلاحیت لوگ چھوٹے پن کے مراحل سے گزرے بغیر کبیر کے درجہ پر فائز ہو کر دوسروں کی اصلاح کا عَلَم لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی وقت وہ اصلاح، سدھارے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پہ دوسروں کی تکذیب اور تردید شروع کر دیتے ہیں اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ اس طرح وہ بگاڑ کی اصلاح کا ذریعہ بننے کی بجائے بگاڑ کی وسعت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے کہ علم کے آ جانے سے فرد داعیٔ اسلام اور علمبردارِ اسلام کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے حالانکہ نفس کا تزکیٰ و تصفیٰ بنے بغیر علم ایک فن، مہارت اور صلاحیت کی حیثیت رکھتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ ایسی صورت میں یہ فن معاشرہ میں ہتھیار کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے جس سے لوگوں کو کاٹا تو جا سکتا ہے جوڑا نہیں جا سکتا۔

ذکر و فکر اور صحبتِ صالحہ سے محرومی کے نتیجہ میں ظاہر و باطن اور علم و عمل میں یکسانیت پیدا ہونے نہیں پاتی اور اپنی بڑائی کا مرض جسم کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ ایسی صورت میں زبان سے جو چیز جاری ہوتی ہے وہ جذبہ انانیت کے اثرات لیے ہوتی ہے اور ذہن میں جن خیالات کا غلبہ ہوتا ہے وہ انانیت اور عجب کے جراثیم سے بن کر تیار ہوتے ہیں۔ عمل سے جو چیزیں جاری ہوتی ہیں ان میں بھی پوشیدہ طور پر عجب وغیرہ موجود ہوتا ہے۔ خطاب اور تحریر سے بھی

Marfat.com

ان اثرات کی گہری نمود ہوتی ہے ۔ اس کا عملاً سب سے بڑا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی شخصیتیں برداشت کی صلاحیت سے محروم ہوتی ہیں نیز وہ خود بھی اسلاف اور صلحائے امت سے جداگانہ راستے پر گامزن ہوتی ہیں تو ان کے معتقدین بھی سلف سے کٹ کر رہ جاتے ہیں اور معاشرے میں اپنے لیے جداگانہ حیثیت متعین کرتے ہیں ۔ اسلاف و اکابران کی تنقید کا نشانہ بنے بغیر نہیں رہتے ۔ ان کے غصہ اور ناراضگی کا سب سے زیادہ ہدف اکابر ہی ہوتے ہیں ۔ اس لیے کہ اکابر نے انسانی نفسیات کے طویل مطالعہ کے بعد شخصیت کے زیر و بم کو توڑنے کے لیے جو نفسیاتی اصول دیے ہوتے ہیں جس کو امت کی بڑی اکثریت صحیح سمجھتی ہے ، یہ ان اصولوں کی طرف آنے کے لیے تیار نہیں ۔

یہ لوگ بحث و مباحثہ اور گفتگو کے تو غازی ہوتے ہیں لیکن عمل میں کوتاہ ، ان کی زبانوں سے قرآن و سنت کا ذکر تو بہت جاری ہوتا ہے لیکن قرآن و سنت پر عمل کرنا اور شکل و صورت میں ظاہری شریعت کو نافذ کرنا انھیں پہاڑ پر چڑھنے کے برابر لگتا ہے انھیں ایسا اسلام چاہیے جس کا تعلق باطن اور اپنی تہذیب سے زیادہ خارج سے ہو ۔ جس میں اپنے آپ کو زیادہ تبدیل نہ کرنا پڑے ۔"

جب ذکر و فکر اور صحبت صالحہ سے محرومی کے نتیجہ میں دل پر حجاب بڑھ جاتے ہیں اور اِنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ (جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرد اور اس کے قلب کے درمیان حائل بن جاتا ہے) کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے تو ظاہری طور پر علم و خطابت میں چاہے کتنا ہی ملکہ کیوں نہ پیدا ہو جاتا ہو لیکن علم اور یہ صلاحیت حقیقی ذاتی اصلاح کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے ۔ اس طرح کے افراد دوسروں کی اصلاح اور تہذیب نفس کی راہ میں بھی سد راہ بن جاتے ہیں ۔ اس لیے کہ جب انا اور کبر کے مریض حکماء اسلام ، شارح اسلام اور علمبردارِ اسلام

Marfat.com

کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں تو وہ لوگوں کو اسلام کا علم تو دے دیتے ہیں۔ اور کتابی اور نظری معلومات بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھیں عملاً ان روحانی اور باطنی بیماریوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں جن بیماریوں میں وہ خود مبتلا ہوتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ پھر اپنے ہم خیال افراد میں یہ احساس بھی پیدا کر دیتے ہیں کہ ہم داعیٔ اسلام کے مقام پر فائز ہیں۔ اس کی مثال پیلیے کے اُس مریض کی سی ہے جسے دنیا کی ساری چیزوں کا ذائقہ کڑوا لگتا ہے۔ یا سانپ کے کاٹے ہوئے اس مریض کی سی ہو جاتی ہے جسے ہر چیز کڑوی لگتی ہے۔

پیلیے یا سانپ کے زہر کا مریض "کھانے کی ساری چیزوں کا ذائقہ کڑوا ہے" کے اس موقف کے لیے چاہے کتنے ہی دلائل کیوں نہ پیش کرے اور اپنے نقطۂ نگاہ کو کتنے ہی علمی اور فلسفیانہ رنگ میں کیوں نہ بیان کرے، محض دلائل اور فلسفیانہ رنگ کی وجہ سے حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے اور اس کی باتیں قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

اصل میں ذکر و فکر کی کمی اور تزکیے کے فقدان کی وجہ سے فرد کے نفس میں خون فاسد کے اثرات گہرے طور پر موجود ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو زائل کرنے کی کوشش ہو، اس سے پہلے علم کی انانیت کا مرض شدت سے حملہ آور ہوتا ہے جس سے ذہن داخلی طور پر یا تو بری طرح متاثر ہوتا ہے یا پھر مفلوج ہو جاتا ہے اور نفس اسے بری طرح اغوا کر لیتا ہے۔

یہ تحریریں مختلف وقتوں میں خاص واردات کے زیر اثر لکھی گئی ہیں اور اپنے اور اپنے حلقہ احباب کے نفسی اور نفسیاتی جائزے کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔

والسلام۔ احقر

محمد موسیٰ بھٹو

Marfat.com

۱۲/مئی ۱۹۹۲ء

محترم جناب گرامی قدر محمد اختر صاحب

السلام علیکم .... مزاج شریف

آپ کے دونوں عنایت نامے ملے۔ جواب میں تاخیر ہو گئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اصل میں ایک تو سندھی زبان میں دینی کتابوں کی کمپوزنگ کے لیے دو کمپیوٹر لیے ہیں۔ پرنٹر نہ ہونے کی وجہ سے مسائل ہیں۔ ایک تو ان مسائل میں الجھا رہا، دوم یہ کہ یہ فکر دامن گیر ہے کہ سندھ کے موجودہ حالات میں مجھ ایسے فرد جسے اللہ کے فضل سے صحافت، ادب اور جدید نظریاتی تحریکوں اور نظریات کا کچھ مطالعہ اور تجربہ ہے وہ لادین تحریکوں کی فضا میں اپنا کردار کس طرح ادا کرے۔ یہ عاجز اگر صحافت اور علم و ادب کے قافلے سے وابستہ نہ ہوتا تو موجودہ حالات کے حوالے سے علم و ادب اور نظریاتی تحریکوں کے پس منظر میں کام کی وہ ذمہ داریاں عائد نہ ہوتی جو حالات کا ادراک و شعور اور کام کا تجربہ رکھنے کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں۔

ذاتی اصلاح کے لیے مجھے تصوف اور تبلیغ جماعت سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے الحمد للہ اس سلسلے میں راقم غافل نہیں، لیکن بنیادی طور پر مجھ ایسے فرد کا دائرۂ کار نظریاتی اور لٹریری کام ہے اور لادین تحریکوں کی فضا میں صحت مند فکر پیش کرنا ہے اور علم و ادب کے حوالے سے کام کو منظم کرنا ہے اور وہ نوجوان جن کا مذہب اور مذہبی عناصر سے رابطہ منقطع ہو چکا ہے، ان سے رابطہ قائم کرکے ان کے فکر و نظر کی صحیح لائنیں متعین کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ کام ایسا ہے جس کی شاید بظاہر اہمیت محسوس نہ ہو اور بالخصوص عام مذہبی طبقات اس کام کو غیر ضروری تصور کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سندھ کے حالات کی مسلسل خرابی کا ایک اہم سبب اور

بنیاد یہی ہے کہ نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے اس کام کو چھوڑ دیا گیا ہے، چناں چہ دشمن نے خالی محاذ دیکھ کر ہماری نئی نسل کے خالی ذہنوں کو اپنے افکار سے بھر دیا اور انھیں ہمارے خلاف صف آرا کر دیا بالکل اس طرح کی صورت حال ہے جس طرح دوران جنگ دشمن کے لیے ایک بڑا علاقہ خالی چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر ہے وہ اس طرف سے حملہ آور ہو کر شکست سے دوچار کر دے گا۔

تبلیغی جماعت اور تصوف سے ایسے لوگوں کا پیدا ہونا ضروری تھا جو نظریاتی سرحدوں کے دفاع کی جنگ لڑتے اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کی شکار نئی نسل کو لادین عناصر اور قوتوں کے چنگل سے نکالنے اور ان کے فکر و نظر کو درست کرنے کا فریضہ سر انجام دیتے۔ ماضی میں اسلاف نے ہمیشہ یہ کام سرانجام دیا ہے اسی لیے تو تمام پُرفتن حالات کے باوجود دین ہم تک منتقل ہوا ہے۔ لیکن بڑے دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت اس کام کو ضروری کام ہی تصور نہیں کیا جاتا اور جو لوگ اس محاذ کو سنبھالنا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ تعاون کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دین اور ملت کا بہت بڑا کام ہے۔ اگر نئی نسل کے فکر و نظر اور اذہان صحیح نہ ہوں گے تو اصلاح کا کام کیسے اور کہاں ہوگا؟

راقم اپنے گہرے تجربات اور مشاہدات کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ جو نئی نسلوں کے ذہن کو سنبھالنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں (اس میں ان سے کتنی ہی کوتاہیاں سرزد کیوں نہ ہوتی ہوں) وہ قابل تبریک اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ وہ ایسے مورچے کو سنبھالے ہوتے ہیں، جس کو کوئی سنبھالنے والا نہیں۔ اگر یہ محاذ خالی ہوا تو ہمارا سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ سندھ میں نظریاتی کام کے حوالے سے جو محاذ غیر معمولی طور پر کمزور ہو گیا ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ساری توانائیاں صرف کر کے کام کے لوگ اس میدان میں لا کر اس محاذ کو مضبوط کیا جائے کاش کہ ہمارے اندر

Marfat.com

یہ احساس پیدا ہو جائے۔

سندھ میں ایک عرصہ سے دشمنوں نے آگ لگائی ہوئی ہے اور ہمارے نوجوانوں کو انھوں نے ذہنی اور عملی طور پر اغوا کرلیا ہے اور کئی سالوں سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ یہ کام ایسا نہیں ہے جو محض سیاسی مقاصد کے لیے ہو رہا ہو۔ بلکہ اس سے مقصود ملت اسلامیہ کی وحدت کو ختم کرنا ہے اور اسلام کو شکست دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں صحافت، ادب اور ابلاغ کے ذرائع سے لادینیت، نیشنلزم، دھرتی ماتا اور اسلام کے خلاف زہر افشانی کا کام مسلسل ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ چوں کہ یہ رسالے، یہ اخبارات اور یہ کتابیں مذہبی طبقات اور قومی سطح کے افراد کی نظروں سے نہیں گزر رہی ہیں وہ اس طوفان بدتمیزی سے بے خبر اور واقف نہیں، اس لیے وہ اس محاذ کی سنگینی سے بالکل ناواقف ہیں اور وہ ہمارے نظریاتی مسائل کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لیکن حالات کے عدم ادراک اور صحیح صورت حال سے ناواقفیت کی وجہ سے حقائق تو تبدیل نہیں ہو سکتے۔

بہر حال آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سندھ میں اسلام کے نظریاتی محاذ پر بڑے پیمانے پر کام کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

۲۱-۱۰-۱۹۹۱ء

برادرِ محترم و مکرم جناب حافظ صاحب.... السلام علیکم ورحمۃ اللہ

چند روز قبل آپ کا خط اور کتاب "داعی اور دعوت کا کام" موصول ہوئے۔ چونکہ میں گذشتہ سارا ہفتہ بیمار رہا ہوں، اس لیے کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکا۔ انشاء اللہ کتاب پڑھنے کے بعد اس پر اپنی رائے لکھوں گا۔

Marfat.com

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ آپ نے دوبار مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔ میری درخواست ہے کہ جب بھی آپ لاہور تشریف لائیں تو مجھے اپنی خدمت کا موقع مرحمت فرمایا کریں۔

والسلام

دعاؤں کا طالب

عبدالغنی فاروق[1]

ظہور منزل

۳-ای منصورہ لاہور ۵۴۵۷۰

۱۰-۷-۱۹۹۱ء

پیارے بھائی محمد موسیٰ بھٹو

السلام علیکم

آپ کی نئی تصنیف "معاشرے کی اسلامی تشکیل نو اور تصوف و احسان" ملی۔ اس کے لیے شکرگزار ہوں۔ لاہور تشریف لانے کا کب ارادہ ہے۔

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کئی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں۔ ان کی شاہکار کتاب "ہم کیوں مسلمان ہوتے" پاکستان کے ہر مکتبۂ فکر کے حلقہ میں پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ یہ کتاب سندھی زبان میں دو اداروں کی طرف سے زیر اشاعت ہے۔ فاروق صاحب دعوتِ اسلامی کے کام کے لیے بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ وہ کالج میں استاد ہیں۔ وہ جہاں بھی پڑھاتے ہیں وہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی تربیت کی خاطر اپنے گرد نوجوانوں کو جمع رکھتے ہیں۔

Marfat.com

حال ہی میں میری ایک نئی کتاب آئی ہے۔ یہ میرے شایع شدہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک کاپی ارسال خدمت ہے۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

محمود[1] مرزا۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم و محترم برادرم محمد موسیٰ صاحب بھٹو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی کتاب "داعی اور دعوت کا کام" موصول ہوئی۔ شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

آپ نے میرے خطوط شایع فرما کر مجھ جیسے ناچیز طالب علم کو بلاوجہ اہمیت دی ہے۔ میں تو واقعۃً اہلِ علم کا خوشہ چیں ہوں۔ بہرحال شکریہ قبول فرمایئے۔

اگر ان خطوط کے ساتھ میرا وہ خط بھی شایع کر دیتے جو اس سلسلۂ مباحث کی آخری کڑی کی حیثیت رکھتا ہے تو مجھے تشنگی کا احساس نہ ہوتا اور میرے نقطۂ نظر کے تمام پہلو سامنے آجاتے ...... کتابت کی غلطیاں حسب توقع ہیں۔ اگر آپ تمام خطوط کو الگ مجموعہ کی حیثیت سے شایع کر دیں تو بہتر رہیگا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔ اگر قبول افتد زہے نصیب۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ ..... والسلام .... محمد نواز

---

[1] محمود مرزا ایڈوکیٹ پاکستان کے ممتاز دانشوروں اور اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب "آج کا سندھ" علمی اور سیاسی حلقوں سے داد حاصل کر چکی ہے۔ قومی مسائل بالخصوص سماجی، معاشی اور قومیتی مسائل پر محمود مرزا ایڈوکیٹ کے سیکڑوں مضامین قومی اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔

Marfat.com

۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء

محترم جناب پروفیسر اسد اللہ بھٹو صاحب[1]

صدر تنظیم فکر و نظر۔ سکھر۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خدا کرے آپ کی صحت بہتر ہو۔

سندھ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں آپ پچھلے ۲۰۔۲۵ سال سے جو کردار ادا کر رہے ہیں، وہ ازحد قابلِ قدر اور لائقِ تعریف ہے۔ لیکن ہماری ساری کوششوں کے باوجود سندھ کے حالات ابتر سے ابتر ہوتے جا رہے ہیں اور نئی نسل دینی اور اخلاقی اعتبار سے تنزل کی گہرائیوں میں جا رہی ہے اور سندھ میں اسلام سے بیزار لادین تنظیمیں طاقت ور ہوتی جا رہی ہیں اور اسلامی عناصر کا نئی نسل سے رابطہ تقریباً منقطع ہو چکا ہے۔ یہ ایسی صورت حال ہے جو انتہائی تشویشناک

---

[1] پروفیسر اسد اللہ بھٹو صاحب سندھ کے گنتی کے ان چند افراد میں سے ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کے فروغ اور غلط نظریات کے علمبرداروں کے خلاف جہاد میں بسر کی ہے۔ وہ جہاں اچھا لکھتے ہیں وہاں اجتماعات اور کانفرنسوں کے انعقاد کے معاملہ میں بھی زبردست صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اسلام کی حمیت۔ لادین نیشنلزم سے نفرت اور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف کام کا جذبہ ان کے اندر اتنا بھرا ہوا ہے کہ ان کی ہر ادا سے یہ جذبہ ظاہر اور نمایاں ہوتا ہے۔ کام کے سلسلے میں ان کی پرواز اتنی بلند رہی ہے کہ دوست اور ساتھی اکثر ان کا ساتھ نہیں دے سکے۔ وہ اکیلے پرواز کرتے رہے اور نئے ساتھی جمع کرتے رہے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ تحریر سے بھی زیادہ ان کی صلاحیتوں کے جوہر کانفرنسوں کے انعقاد میں ظاہر ہوتے ہیں۔

سرکاری ملازمت کی مجبوری نے ان کے دائرۂ کار کو محدود کر دیا۔ ورنہ اسد اللہ بھٹو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جس پر غور و فکر ہونا اور اس غور و فکر کی روشنی میں نئے خطوط پہ کام ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ایک طرف تو یہ صورتِ حال بڑی اطمینان بخش ہے کہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں اور افغانستان میں اسلام از سرِ نو ابھر رہا ہے اور وہاں اسلامی قوتیں تقویت حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ ہمارا سندھی نوجوان ترقی پسند تحریکوں اور سیکولر فکر اور اسلام سے بیزار تنظیموں کے زیرِ اثر ذہنی اور شعوری طور پر اسلام سے دور ہو رہا ہے اور سندھ کے اسلامی تشخص کا انکاری ہے۔

سندھ کی پڑھی لکھی دیندار آبادی کا شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہو جس کا کوئی نہ کوئی فرد نئے دور کی لادین اور اور دین و مذہب سے دور نئی تحریکوں سے بری طرح متاثر نہ ہوا ہو۔ ہمارے سامنے ہماری نئی نسلوں کا اس طرح اپنے تہذیبی اور نظریاتی سرمائے سے بے بہرہ ہونا اور اس سرمایے کو بے قیمت اور فضول تصور کرنا اور قیمتی اسلامی تہذیبی سرمایے کو ختم کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرنا، یہ صورتِ حال متقاضی ہے کہ ہم ہمہ تن مضطرب ہو جائیں اور آرام کی نیند سونے کی بجائے سراپا متحرک ہو جائیں اور اسلام کے دعوتی کام کو اس طرح سرانجام دیں کہ ہمارے دلوں کا سوز و ساز نوجوانوں کے فکر و نظر کو بدل ڈالے۔

چوں کہ آپ میدانِ عمل میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی خدمت کی سعادت بھی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ سے سندھ میں اسلامی کام و دعوت کو درپیش مسائل اور حکمتِ عملی کے موضوع پر تبادلہ خیال ہونا ضروری ہے۔

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) صاحب سندھ میں اسلامی کام کے لیے شاید زیادہ مؤثر ثابت ہوتے۔ ان کے طریقِ کار اور حکمتِ عملی کے بعض پہلوؤں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے جذبے، فکر، اضطراب دردمندی اور مسلسل جہد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

راقم کے خیال میں جدید عالمی فکر، آزاد خیالی اور اپنی روایات، اقدار اور ماضی سے بغاوت کے رجحانات کو ابلاغ کے جدید ذرائع نے جس طرح عام کیا ہے اور اس فکر اور اس تہذیب کو جس طرح گھر گھر پہنچا دیا ہے، ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس فکر اور آزاد خیالی کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا، اگر ہمارا دین دار طبقہ نئے دور کے نئے نظریات اور نئی تحریکوں سے پوری طرح واقف ہوتا اور ان کے چیلنج کو محسوس کرتا۔ ساتھ ساتھ اخلاقِ حسنہ، پاکیزہ کردار اور روشن خیالی سے بھی بہرہ ور ہوتا۔ ظاہر ہے ہمارا مذہبی طبقہ اپنے اپنے خولوں میں بند ہے، اب تک نئے دور کے حالات اور چیلنج کا نہ تو کوئی فکر و شعور ہے اور نہ ہی اضطراب۔ پھر مذہبی طبقہ جس طرح شعوری نقص، معاشی پسماندگی اور معاملات میں کمی و کوتاہی اور مسلکی و جماعتی خولوں میں مبتلا ہے، اس کی وجہ سے وہ نئی نسل کے لیے بالکل غیر مؤثر بن کر رہ گیا ہے اور اس کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ علمائے ربانی اور اہل اللہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ اب بھی روشنی کا مینار ہیں لیکن ان سے روشنی تو وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو ایمان و ایقان کے حامل ہوں اور روحانی و باطنی فیض کے قائل ہوں۔ جب کہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے جدید لادین تحریکوں نے ایمان ایقان ہی کو سلب کر دیا ہے اور باطنی احساسات کو دبا دیا ہے۔ اور دین و مذہب کے بارے میں اعتماد کو مجروح کر دیا ہے اور اسے غیر ضروری قرار دیا ہے۔

سندھ میں نظریاتی میدان میں اسلام کو درپیش چیلنج کا مؤثر مقابلہ نہ ہونے کا ایک اہم سبب تو یہ تھا کہ ہمارے ہاں مذہبی طبقہ ہر اعتبار سے پسماندہ رہا، فکر، شعور، علم و عمل، کردار اور معاش وغیرہ میں پیچھے رہا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ بدقسمتی سے جاگیرداروں اور وڈیروں میں ایسی دو چار شخصیات بھی سامنے نہ آ سکیں جو نئے دور کی نئی تحریکوں کے مقابلہ کے کام کو اپنا کام تصور کرتی اور

Marfat.com

فکر و نظر، ابلاغ اور تنظیم کے میدانوں میں اسلامی کام کے لیے سرمایہ صرف کرتیں اور اس کے لیے پلاننگ کرتیں۔ تاجروں اور اصحابِ ثروت میں جو لوگ دینی کاموں میں رقم خرچ کرتے ہیں۔ ان کی ترجیحات میں بھی نوجوانوں کو جدید فتنوں اور لادین نظریاتی تحریکوں سے بچانے کی کوئی مد شامل نہیں ہوتی وہ شعوری اور نظریاتی سطح پر کام کو غیر ضروری تصوّر کرتے ہیں۔

چنانچہ لادین نیشنلزم اور دھرتی ماتا کے تصورات اور سیکولرازم کی یلغار کے مقابلہ کے لیے تنظیم، لٹریچر، نشر و اشاعت اور اداروں کے جو انتظامات ہونے چاہئیں وہ نہ ہو سکے۔ حالت یہ ہے کہ ایک طرف نئی نسل کو بگاڑنے کے لیے سندھی زبان میں دسیوں رسائل نکل رہے ہیں تو دوسری طرف ذہن کی صحیح خطوط پر تشکیل کے سلسلے میں کوئی رسالہ موجود نہیں ہے۔ مذہبی نوعیت کے رسائل ضرور موجود ہیں اس موضوع پر یعنی اہلِ ثروت کی طرف سے نئے دور کی تحریکوں کے مقابلہ کے کام میں مالی تعاون نہ کرنے کا مسئلہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر عالم اسلام کے ممتاز اسلامی مفکر اور اخوان المسلمون کے فکری قائد ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے کیا خوب توجہ دلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ متمول مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ، خاص طور پر دیندار طبقہ، مسجد اور اس طرح کے دینی ادارے تعمیر کرنے یا کروانے کا تو بڑا اہتمام کرتا ہے مگر تعمیر انسانیت کے دوسرے کاموں میں اتفاق سے غافل ہی رہ جاتا ہے۔ مجھ سے اس بات کا شکوہ دعوتِ اسلامی کے میدان میں کام کرنے والے اکثر حضرات نے کیا ہے۔ افریقہ میں تنظیم دعوتِ اسلامی کے افرا د محمد ناصر اور ان کے ساتھیوں نے بھی یہی شکایت کی اور سیکولر تحریکوں و مارکسزم وغیرہ کا مقابلہ کرتے ہوئے تعلیم و تربیت، دعوت و نصیحت کا کام کرنے والے دوسرے بہت سے بھائیوں

Marfat.com

نے بھی یہی شکوہ کیا ہے ۔ حالانکہ مخلص داعیانِ اسلام اور ماہرینِ دین کا اس بات پر اجماع ہے کہ انسان کی تعمیر مساجد کی تعمیر سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ ایسے انسانوں اور ایسے افراد کی تعمیر کہ جن کے ہاتھوں تہذیبِ انسانی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، جن کی مدد و نصرت سے پیغامِ رسالتؐ و نبوت عام ہوتا ہے، جن کی کوششوں اور جن کے اخلاقِ عمل سے معاشرے کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، جن کے ذریعہ مسجدیں بارونق ہوتی ہیں اور جن کے وجود سے اسلامی تحریکیں پروان چڑھتی ہیں ۔

دعوتِ اسلامی کے ایسے مراکز قائم کرنا کہ جن کے ذریعہ مسلمانوں کی تربیت ہو، انھیں فہم دین حاصل ہو، جن کے ذریعہ نوجوانوں میں صحیح اسلامی افکار پھیلائے جاتے ہوں۔ ان کے عقائد درست کرنے کے لیے جدوجہد ہوتی ہو۔ ان کی تعمیرِ اخلاق ہوتی ہو، ان کے دلوں میں دین اسلام پر فخر اس سے محبت اور اس کے لیے غیرت کے جذبات پیدا کیے جاتے ہوں۔ اس مقصد کے لیے اسلامی مراکز کے علاوہ مختلف تربیتی کیمپ لگانا، لیکچروں اور تقاریر و دروس کا اہتمام کرنا یہ سب کام بھی اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہیں، ان سے بھی خدمتِ اسلام کا فریضہ ادا ہوتا ہے ۔ اس لیے ان سرگرمیوں میں انفاق فی سبیل اللہ کرنا بھی اوّلین ضرورت اور اعظم ترین نیکی ہے ۔

ایسے داعیانِ دین اور مربی حضرات تیار کرنا جو دین کو بھی خوب سمجھتے ہوں، دنیا کو اچھی طرح جانتے ہوں اور جو لوگوں کو بھی فہم دین و دنیا عطا کرسکیں...... ایسے داعیانِ دین تیار کرنا، انھیں یہ ذمہ داری ادا کرنے کے لیے فارغ کردینا اور اس سلسلے میں ان کی بھرپور اور ہر ممکن مدد کرنا ایک ایسا فریضہ ہے کہ جس میں کوتاہی برتنے پر تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے ۔

Marfat.com

اگر یہ فریضہ ادا ہو جائے تو اس پر اللہ کے ہاں بھی اجر محفوظ ہو گا اور لوگ بھی اس پر ستائش کریں گے کہ فلاں نے اس دینی فریضہ میں سبقت لے لی اور اپنا مال، وقت اور جدوجہد اس راہ میں کھپا دیا۔"

(ملاحظہ ہو تحریکِ اسلامی کی آیندہ ترجیحات۔ مصنف۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

سندھ میں ہمیں جو چیلنج درپیش ہے وہ زندگی اور موت کا چیلنج ہے معاملہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہماری نسلیں عملاً مذہب سے دور ہو رہی ہیں اور وہ اخلاق و کردار کے معاملہ میں تشویشناک صورتِ حال سے دوچار ہیں بلکہ بدقسمتی سے ہماری نئی نسلوں کی نظر میں ہمارا وہ اعتقادی نظام مجروح ہو چکا ہے جس پر صدیوں سے ہمارا تہذیبی ڈھانچہ کھڑا ہے۔ جب معاشرے کا مسلمہ اعتقادی نظام ہی متنازعہ فیہ بن جائے تو حالات کی سنگینی واضح ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں الحاد و دہریت کی قوتیں بہت مضبوط اور منظم ہیں۔ اخبارات میں ان کے لوگ موجود ہیں۔ "عوامی آواز" جیسی اخبارات وہ خود نکال رہے ہیں۔ جس میں وہ پوری پلاننگ کرتے ہیں کہ مضامین، خبروں، اور اداریوں کے ذریعہ قارئین کا ایسا ذہن بنایا جائے کہ وہ اسلام اور اس کے بنیادی عقائد سے باغی ہو جائیں اور ان کے اندر علماء اور دینداروں کے خلاف نفرت اور بیزاری پیدا ہو جائے۔ ساتھ ساتھ وہ دھرتی ماتا کے پجاری بن جائیں۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ان حالات میں ہم کوئی زیادہ مؤثر کردار ادا نہیں کر پا رہے ہیں۔ دورِ جدید میں پریس کو جو اہمیت حاصل ہے وہ غیر معمولی ہے۔ پریس جس قسم کا ذہن بنانا چاہے، عام طور پر وہی ذہن بن جاتا ہے۔ وہ جس معاملہ کو مسئلہ بنا کر پیش کرے، حکومت اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ سندھی ادبی بورڈ کے سیکرٹری کا مسئلہ ہی دیکھ لیجیے۔ سندھی پریس نے جناب محبوب سروری کے خلاف جو طوفان کھڑا کیا۔ اس نے مخدوم محمد زمان طالب

Marfat.com

الموٰلی جیسی شخصیت کو مجبور کیا کہ وہ ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔ محبوب سروری صاحب کا قصور یہ تھا کہ وہ اسلامی نظریے کے علمبردار تھے۔ چنانچہ ان کو سندھی قوم اور سندھ کے غدار کی حیثیت سے پیش کر کے ان کے خلاف طوفانِ بدتمیزی کھڑا کیا گیا۔

سندھ کے موجودہ حالات میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور تصوف کے ادارے یہ تین قوتیں ہیں جو کام کر رہی ہیں۔ جن کا اپنا دائرہ کار ہے اور جن کے کام سے کسی بھی طور صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن موجودہ حالات میں ان جماعتوں اور اداروں کے بہت زیادہ موثر نہ ہونے کے جو اسباب ہیں، ان پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ تاکہ اس روشنی میں نئی راہیں اور لائنیں سامنے آسکیں۔

جماعتِ اسلامی کا کام یقیناً قابلِ قدر ہے۔ جماعت نے شروع سے علمی و ادبی محاذ پر لادین قوتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کی طرف سے ادبی محاذ پر محمد بن قاسم ادبی سوسائٹی کا قیام اور سوسائٹی کی کوششیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ صحافتی اور ادبی محاذ پر "آئینو" اور "وینجھار" رسالہ کا کردار بھی قابلِ تعریف ہے۔ پھر جماعت طلبہ کے محاذ پر بھی کوشاں رہی ہے کہ اندرونِ سندھ اسلامی جمعیتِ طلبہ فعال اور متحرک ہو۔ لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود سندھی آبادی میں اس کام کے قابلِ ذکر اثرات نہ ہونے کے بہت سارے اسباب ہیں۔ جن میں کچھ تو داخلی ہیں اور کچھ خارجی۔ ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ لادین قوتوں نے ابلاغ کے ذرائع سے کام لیکر جماعت کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جماعتِ اسلامی سندھ کی دشمن ہے اور وہ سندھ کو پنجاب کی کالونی بنانا چاہتی ہے۔ یہ پروپیگنڈہ اس انداز سے

Marfat.com

ہوا کہ رائے عامہ نے بالخصوص پڑھی لکھی آبادی نے جماعت کے بارے میں اس تاثر کو عام طور پر قبول کر لیا۔

ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ جماعت کا سیاسی کردار اس کے دعوتی، نظریاتی اور علمی کردار پر غالب رہا اور سارے دعوتی اور علمی کاموں کی منصوبہ بندی اس طرح کی گئی کہ ان کاموں کی بدولت سندھ میں جماعت اسلامی کی سیاسی قوت میں اضافہ ہو سندھی نوجوانوں کو لادین نظریاتی تحریکوں کے اثرات سے بچانے اور سندھ میں اسلام اور اسلامی کاز کو درپیش خطرات کے مقابلے کے کام کو سیاسی کام کے ضمیمہ کی حیثیت دی گئی۔ پھر جماعت کے علمی اور ادبی کام میں بھی مخالفت اور محاذ آرائی کا پہلو بہت نمایاں رہا۔ جب سیاسی اور نظریاتی محاذ کے پہلو بہ پہلو دعوتی اور خالص علمی و ادبی کام نہ ہو یا وہ سیاسی کام کا شاخسانہ ہو تو ظاہر ہے اس سے معاشرے میں پائیدار بنیادیں فراہم نہیں ہو سکتیں۔ یقیناً لٹریری اور ادبی محاذ پر لادین عناصر کو چیلنج دینا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صحت مند اور مثبت دعوتی کام کے ذریعہ افرادی قوت میں اضافہ بھی ضروری ہے تاکہ افرادی قلت کی وجہ سے لادین عناصر سے محاذ آرائی محض کاغذی محاذ آرائی ثابت نہ ہو۔

جماعت کے کام میں رکاوٹ کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ چوں کہ حقیقی تصوف کے بارے میں جماعت کا موقف حقیقت پسندانہ نہ تھا اس لیے تصوف سے وابستہ مذہبی حلقے جماعت سے دور رہے اور جماعت دین کے غلبہ کے کام کے لیے تصوف سے وابستہ مخلص اور دردمند افراد کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس کا دوسرا نقصان دہ پہلو یہ بھی ہوا کہ جماعت اسلامی اپنے حلقے سے وابستہ افراد کے تزکیہ و تربیت اور ان کی روحانی تشنگی کا کما حقہ انتظام و اہتمام نہ کر سکی۔ تزکیہ و تربیت کے بنیادی تقاضوں کے بغیر ظاہر ہے اسلامی جدوجہد میں استقامت کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ یقیناً تصوف میں

Marfat.com

بھی بہت ساری خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور قرآن و حدیث سے تصوف کے موجودہ ادارہ کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ لیکن تصوف تو اسلاف کے ۱۲ سو سالہ مسلم نفسیات کے جائزے، تجزیے، اور نفسیات کی اصلاح اور علاج پر مشتمل ہے۔ جس طرح جسمانی بیماریوں کے لیے طبِ یونانی اور ایلوپیتھک وغیرہ سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا اسی طرح باطنی امراض (جو دراصل عمل اور کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں) سے صرفِ نظر کرنا بھی دانشمندی نہیں ہے۔ صحیح تصوف اسلامی شریعت پر عمل کی قوت پیدا کرتا ہے۔ جب مجاہدوں اور ریاضتوں سے انسانی نفسیات درست ہو جاتی ہے اور خواہشات اور جذبات میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے تو افراد کے لیے اسلامی شریعت پر چلنا اور کام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک مروّجہ تصوف کا تعلق ہے تو وہ غلط ہے۔ لیکن غلط اور صحیح تصوف میں امتیاز کر کے صحیح تصوف سے کھل کر استفادہ کی بات کرنی چاہیے تھی تاکہ جماعت سے وابستہ افراد کو اپنے باطن کی تسکین کا موقع فراہم ہوتا اور سیاسی و عملی جدوجہد سے جو اکتاہٹ اور اضطراب پیدا ہوتا ہے، اس میں کمی آتی۔ بہرحال مختصراً ان اسباب کی وجہ سے جماعتِ اسلامی سندھ میں لادین قوتوں کے مقابلے میں قابلِ ذکر کردار ادا نہ کر سکی۔

سندھ کے موجودہ حالات میں تبلیغی جماعت کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تبلیغی جماعت کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کی زندگیاں غلط سمت جانے سے بچ گئیں اور بہت سارے لوگ دین و ایمان کے راستے پر گامزن ہیں۔

تبلیغی جماعت سندھ کے اہم تعلیمی اداروں میں بھی مسلسل کام کر رہی ہے۔ اس کے کام کے اثرات ایک حد تک ظاہر ہیں، کہ سندھ یونی ورسٹی، مہران یونی ورسٹی، زرعی یونی ورسٹی، لیاقت میڈیکل کالج اور چانڈکا میڈیکل کالج اور ٹیکنیکل کالجوں کی مسجدوں میں طلبہ اور اساتذہ کافی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ تبلیغی جماعت دراصل تجدیدِ ایمان کی تحریک ہے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے کے نتیجے میں افراد کو نقد

Marfat.com

فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی نکلتے ہی ایمان کی لذت و کیفیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ لیکن چونکہ تبلیغی جماعت کا اپنا ایک دائرہ کار ہے۔ وہ لٹریچر اور ذہن کی نظریاتی بنیادوں پر تیاری، دورِ جدید کی نظریاتی تحریکوں کے فہم اور ان کے مقابلے کے لیے تیاری اور پلاننگ جیسے کاموں سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں، اس لیے سندھ کے موجودہ خالص نظریاتی ماحول میں تبلیغی جماعت ایک حد سے آگے کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ تبلیغی جماعت کوئی علمی یا نظریاتی تحریک نہیں ہے وہ ایک اصلاحی اور عملی ادارہ ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ نکلا جائے۔ کیوں نکلا جائے یہ بات نکلنے کے بعد معلوم ہوگی۔ یعنی تبلیغی کام کی اہمیت دلائل اور نظریاتی بحثوں کی بجائے نکلنے کے بعد واضح ہوگی۔

تبلیغی جماعت کی دعوت بنیادی طور پر ان افراد کے لیے ہے جو اسلام کے بنیادی عقائد کو مانتے ہیں اور نظری، فکری اور شعوری طور پر گمراہ نہیں، بلکہ معاشرے کے اثرات کی وجہ سے بے عمل ہوگئے ہیں۔ اس طرح کے افراد کی اصلاح کے لیے تبلیغی جماعت ایک مؤثر ادارہ ہے۔ لیکن چوں کہ ہمارے ہاں حالات دوسرے ہیں۔ اس لیے تبلیغی جماعت اسلام کو درپیش نئے دور کے چیلنجوں کے سلسلے میں فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتی۔

آپ اور ہماری یہ خواہش بجا ہے کہ تبلیغی جماعت کو نظریاتی محاذ پر اسلام کو درپیش چیلنج کے مقابلے کی فکر بھی کرنی چاہیے تاکہ دورِ جدید کی نظریاتی تحریکوں کے مقابلے کی صورت بھی پیدا ہو سکے۔ اس معاملہ میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے احساسات بھی ہمارے احساسات کے مماثل ہیں۔ وہ اپنی کتاب "کاروانِ زندگی" میں لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے گہری عقیدت، ان کے فہم دین و اخلاص پر کامل اعتماد، اس کام کی ضرورت اور افادیت پر یقین، اور نہ صرف عملی شرکت، بلکہ ایک داعی اور ترجمان کے فرائض انجام دینے کے ساتھ (جو مولانا کے لیے بھی مسرت و اطمینان کا موجب تھی)

Marfat.com

واقعہ یہ ہے کہ میرے ذہن کے سانچے کی (جو ایک خاص علمی ماحول اور مطالعہ سے تیار ہوا تھا) مکمل شکست وریخت عمل میں نہیں آئی تھی، اور اس کی جگہ کسی دوسرے ذہنی اور فکری سانچہ نے نہیں لی تھی، یہ صورتِ حال ان لوگوں کو اکثر پیش آتی ہے، جن کا ذہنی اور فکری سانچہ پہلے سے تیار ہو گیا ہو اور انھوں نے اپنے ذہن و مطالعہ سے کام لینا چھوڑ دیا ہو، زیادہ صحیح الفاظ میں انھوں نے دماغی سپراندازی اور ماضی سے مکمل علیحدگی اختیار نہ کی ہو، اس لیے تحریکوں اور دعوتوں کے لیے وہ لوگ زیادہ مفید اور کارآمد ہوتے ہیں جن کا سانچہ انہی تحریکوں اور دعوتوں میں آنے کے بعد بنتا ہے، اور ان کو کوئی فکری ہجرت یا سفر نہیں کرنا پڑتا۔

میرا معاملہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اس سے مختلف تھا۔ میرا ایک فکری و عملی اور علمی پس منظر (BACKGROUND) تھا، صلاحی اور تجدیدی تحریکوں اور ان کی مرکزی شخصیتوں کا میں نے نہ صرف مطالعہ کیا تھا، بلکہ ان کا تعارف و تذکرہ نویسی کا شرف بھی حاصل ہوا تھا، میں ہر دور میں منصوصات وغیر منصوصات اور مقاصد و وسائل میں فرق کرتا رہا، اور میرے نزدیک خوب سے خوب تر کی تلاش، اور نافع سے انفع کی جستجو کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا اسی طرح میرے نزدیک ہر تحریک، ہر دعوت اور ہر ادارہ میں جو دین کی خدمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قائم ہو، نمو و ارتقا، زندگی اور اس کے مسائل سے واقفیت اور جائز اور ضروری حد تک ان کی تکمیل اور زندگی سے تطبیق کی کوشش ضروری ہے، ورنہ وہ تحریک اور ادارہ نمو اور زندگی کی صلاحیت سے محروم اور جمود کا شکار ہو جائے گا، اور اس کی افادیت محدود سے محدود تر ہو کر رہ جائے گی۔

ان خیالات نے جو میرے ماحول، مطالعہ، اور ذہنی ساخت کا نتیجہ تھے، کسی دور میں ساتھ نہیں چھوڑا، اور میں مولانا کی حیات میں بھی کبھی کبھی تنہائی میں اقبالؔ کا یہ شعر پڑھتا تھا ؂

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومیؔ کبھی پیچ و تابِ رازیؔ

Marfat.com

لیکن مولانا کی قوت نسبت، اور بے پایاں شفقت اور عملی مشغولیت نے ان کی حیات کے پورے عرصہ میں اس فکر کو دبا رکھا تھا۔ مولانا کی وفات کے بعد وہ نمایاں طریقے پر ابھرنے لگی، اس نے پہلے یہ شکل اختیار کی کہ کام کو جو اب سارے ہندوستان میں تقریباً پھیل چکا تھا، اور دوسرے ممالک کی طرف بڑھ رہا تھا، کچھ زیادہ منظم، مؤثر اور ذہین و علمی طبقہ کے لیے اطمینان بخش اور پرکشش بنانے کے لیے اصول دعوت، اور اس کے ان اجزاء...... کو قائم رکھتے ہوئے (جن کو اس تحریک میں ۶ نمبر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا) کم تبدیلیوں اور زیادہ اضافہ کی ضرورت ہے، مختلف مجالس میں مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے اہلِ شوریٰ سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی، مگر اندازہ ہوا کہ ان کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دیتا، اور وہ اس کی تائید میں نہیں ہیں، اور شاید مولانا کی وفات کے بعد دعوت کے اس ابتدائی مرحلہ میں اس احتیاط کی کسی قدر ضرورت بھی تھی، کئی بار متوجہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جب تک خود اصل داعی کے ذہن میں جو دعوت کا روح و رواں ہے، کسی ضرورت کا احساس، اور کسی تبدیلی کا تقاضا پیدا نہ ہو، باہر سے مشورہ دینا، خصوصاً ان لوگوں کا جو عمل اور قربانی دینے والوں کے صفِ اوّل میں نہیں ہیں، اور جنھوں نے اپنی پوری زندگی وقف نہیں کر دی ہے، مفید اور مؤثر نہیں ہوا کرتا، اور بہت سے داعی اور ذمہ دار اس کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں، جیسے کوئی ایسا شخص امام کو لقمہ دے جو نماز میں شریک نہ ہو، اور جس کے قبول کر لینے کو فقہاء مفسدِ صلوٰۃ سمجھتے ہیں۔

اس احساس اور بار بار کی کوششوں کے غیر مفید ہونے کے تجربہ، نیز جماعت کے اخلاص و للّٰہیت، مولانا محمد یوسف صاحب کی قوت باطنی اور قوتِ دعوت، اور اس میں فنائیت اور استغراق، اور کام کے ہر حال میں نہ صرف مفید بلکہ زندگیوں میں تبدیلی لانے والا عمل دیکھ کر اس سلسلے کو وہیں روک دینا، مناسب سمجھا گیا، البتہ اپنے ذہن

Marfat.com

کے کام کرتے رہنے کو روکنا قدرت میں نہیں تھا، اس لیے یہ فیصلہ کیا کہ مرکز سے اس تعلق اور دعوت کی مشغولیت کو جاری رکھا جائے گا۔ البتہ اپنے دائرۂ کار (لکھنؤ اور اس کے اطراف) میں اس کو زیادہ مفید بنانے، اور حالات و ماحول کا لحاظ رکھنے، اور دعوت و تفہیم کی اپنی زبان استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ "قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا" ایک دائمی اور عالمگیر حقیقت ہے۔

("کاروانِ زندگی" صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۶)

چوں کہ تبلیغی جماعت شعور سے زیادہ دل کو اپیل کرتی ہے۔ اس لیے ہم جیسے لوگوں کو دل کی حالت صحیح رکھنے کے لئے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقتاً فوقتاً نکلتے رہنا چاہیے۔ اس سے جہاں ہماری ذاتی اصلاح کی صورت پیدا ہوگی وہاں نظریاتی کام میں بھی غیر معمولی مدد ملے گی۔ اس لیے کہ نظریاتی کام میں شعور کے ساتھ ساتھ دل کی طاقت اور باطن کی مضبوطی ضروری ہوتی ہے یہ چیز اللہ والوں کی صحبت اور اللہ کی راہ میں گھر سے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے۔

سندھ میں تصوف کے صحیح ادارے بھی اس وقت بڑا کام کر رہے ہیں۔ ذاتی اصلاح کے سلسلے میں ہزاروں لوگ اولیائے کرام سے وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا عبدالکریم بیروالے، حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، حضرت سجن سائیں جیسے بزرگوں کی مجلسوں میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی صحبتوں کے نتیجہ میں کس طرح لوگوں کی نفسی خرابیوں کی اصلاح ہوتی ہے اور حبِ جاہ و حبِ مال میں کمی آتی ہے اور رواداری و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بزرگانِ کرام گھٹا ٹوپ تاریکی میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے اخلاص، تقویٰ اور ایمان و یقین کی کیفیات حاصل ہوتی ہیں اور اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم، بہر حال ان

Marfat.com

کی طرف رجوع کرنے والے وہی لوگ ہیں جو مذہبی صداقتوں کو مانتے ہیں۔ نئے دور کی نئی تحریکوں کے مقابلہ کے لیے تصوّف کے یہ ادارے کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔
اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سندھ کے موجودہ حالات میں اسلام کے بارے میں نئی نسلوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے اور اسلام پر ان کے اعتماد کو بحال کرنے کا کام بنیادی طور پر ہمارا کام ہے۔ چوں کہ ہم عملاً سندھ کے نظریاتی مسائل سے براہ راست متعلق رہے ہیں اس لیے بنیادی طور پر یہ مسئلہ ہمارا ہے۔ اس لیے سندھ میں کام کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔

والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

۱۳ مئی ۱۹۹۲ء

محترم جناب پروفیسر اسد اللہ بھٹو صاحب۔ صدر تنظیم و فکر و عمل۔

السلام علیکم ..... مزاج شریف

سندھ میں درپیش چیلنج کے مقابلہ اور دعوت دین کے کام کے سلسلے میں غور و فکر کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں مزید کچھ باتیں قابلِ غور ہیں۔

________ ہمیں ایک طرف تو تعلیمی اداروں میں پوری توجہ صرف کرنی ہو گی۔ نسبتاً دینی ذہن کے افراد کے ذریعہ وہاں کام کے لیے حالات سازگار بنانے ہوں گے۔ اس سلسلے میں اب تک جو کوشش ہوئی ہیں ہم اپنی مصروفیات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے نوجوانوں سے مسلسل رابطہ نہ رکھ سکے۔ یقیناً اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ سندھ کے اہم تعلیمی اداروں میں اسلحہ کی سیاست کا رواج ہے اور وہاں لادین طلبہ تنظیمیں اسلام کے لیے کام کرنیوالوں

Marfat.com

کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی۔ لیکن اللہ اپنے دین کی نصرت کرنے والوں کا خود مددگار ہے۔ اگر ہمیں کام کے چند طلبہ ہی مل جائیں تو انشاء اللہ سندھ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسلام کے نظریاتی کام کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں۔

ہمارے لیے اس وقت ان تعلیمی اداروں میں اس لیے بھی نسبتاً حالات سازگار ہیں کہ لادین طلبہ تنظیمیں کئی گروہوں میں بٹ چکی ہیں وہ آپس میں بری طرح دست و گریباں ہیں۔ پھر ان طلبہ تنظیموں کی طرف سے تعلیمی اداروں میں قتل و غارت، سیاسی کردار، لوٹ مار اور تعلیمی ماحول کو غیر معمولی نقصان پہنچانے کی وجہ سے ان سے عمومی نفرت کی فضا بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے پاس اسلام کی صداقت کے لیے نظریاتی لٹریچر بھی موجود ہے۔ بہرحال اس میدان میں کام کی ازحد ضرورت ہے۔

اسی سلسلے کا دوسرا پہلو ابلاغ اور نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس ایسے افراد موجود نہیں جنہیں سندھی اخبارات میں سب ایڈیٹر اور کالم نگار کی حیثیت سے بھیج سکیں۔ "عبرت" "آفتاب" اور "کاوش" میں خبروں کی ترتیب دینے اور لکھنے والوں کی ضرورت ہے۔ راقم کوشاں ہے کہ ہمیں ایسے نظریاتی لوگ مل جائیں جو ان اخبارات میں کام کے لیے تیار ہوں۔ تاہم یہ اخبارات ہمارے لیے ایک حد تک ہی —— معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہمیں بنیادی طور پر ایک معیاری سندھی رسالے اور معیاری سندھی اخبار کے اجرا کی کوشش کرنی ہوں گی۔ اپنے اخبار اور رسالے کے بغیر ہم نہ تو پوری طرح عوامی سطح پر اسلام کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کر سکتے ہیں اور نہ ہی لادین قوتوں پر نفسیاتی اور اعصابی دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ اس وقت وہ نشریاتی اور صحافتی ذرائع پر پوری طرح قابض ہیں اور اخبارات کو اپنے مقاصد کے لیے جس طرح استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ کرتے ہیں۔ جب تک اس صورت حال میں تبدیلی نہیں آتی اور اذہان کو بنانے والے ذرائع پر ان کا تسلط ختم نہیں ہو جاتا۔ سندھ کے حالات میں بہتری کا امکان نہیں۔

معیاری اخبار اور معیاری رسالے کے سلسلے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ملی اور قومی نقطہ نگاہ سے رسائل اور اخبارات پڑھنے والا

Marfat.com

طبقہ موجود نہیں۔ یقیناً مذہبی طبقہ موجود ہے لیکن اسے عام طور پر اخبار و رسائل سے دلچسپی نہیں۔ تعمیری اخبار و رسائل کے لیے جب تک قارئین کا حلقہ موجود نہ ہو تب تک ظاہر ہے یا تو اسے مفت تقسیم کیا جائے یا پھر اس کی پالیسی میں تبدیلی کر کے صوبائی عصبیت کا رنگ یا نیشنل ازم کا زہر شامل کیا جائے۔ دوسری صورت سے ظاہر ہے اخبار و رسالے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت کے لیے بہت زیادہ وسائل کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس میدان میں چھوٹی سطح پر ہی سہی کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ہمیں ابتدا میں ایک ہفتہ وار اور ایک ماہانہ نظریاتی رسالہ کا اجراء کرنا چاہیے اس سلسلے میں ضرورت ہے کہ سندھ بھر کے دردمند اصحاب فکر ساتھیوں کی نشست ہو، جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آئیں اور وسائل جمع کرنے کے لیے کمیٹی بھی تشکیل دی جائے۔

کام کا ایک بڑا میدان ادب کا میدان ہے۔ ترقی پسند اور لادین عناصر اسی ایک میدان میں پلاننگ کے ساتھ مسلسل کام کے نتیجہ میں نوجوانوں کی ٹیمیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں "سندھی ادبی سنگت" سندھ بھر میں نئے لکھنے والوں کو جس طرح ایک پلیٹ فارم مہیا کرتی رہی ہے، اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی رہی ہے، ہماری طرف سے پچھلے چالیس سال میں سنجیدگی کے ساتھ اس کے توڑ کی عملاً کوئی قابل ذکر کوشش نہ ہو سکی۔ نئے لکھنے والوں کو اپنے اشعار اور کہانیاں پیش کرنے کے لیے ایک حلقہ چاہیے اور مضامین کی اشاعت کے لیے رسالے چاہئیں۔

لکھنے والوں کی یہ ایک فطری خواہش ہے اس سلسلے میں بدقسمتی سے ہم ان کی حوصلہ افزائی اور ذہنوں کی صحیح نشوونما کے لیے نہ تو حلقہ فراہم کر سکے اور نہ ہی ان کی تخلیقات کی اشاعت کے لیے رسالے دے سکے۔ ہماری اسی کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ خالی ذہن نوخیز

Marfat.com

ادیبوں کو ترقی پسند عناصر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہوگئے۔
اگرچہ اس وقت لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے والوں کا بڑا حلقہ سیکولر ذہن کا تیار ہو چکا ہے۔ تاہم ہمیں نوخیز ادیبوں کو سنبھالنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اور ایسی سندھ گیر ادبی تنظیم کی تشکیل کرنی چاہیے جو لکھنے والوں کی تربیت کا کام سر انجام دے۔

محسوس ہوتا ہے کہ جب تک عوام میں دینی شعور پیدا نہ ہو اور ان کے اندر حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو تب تک کسی بھی شعبہ میں دین کا کام کرنا آسان نہیں۔ ہمیں رسالہ اور اخبار کے لیے قارئین کا حلقہ چاہیے اور معاونین چاہئیں عوام میں دینی شعور کے فقدان کی وجہ سے یہ حلقہ موجود نہیں۔ ان حالات میں بڑے پیمانے پر دعوتی کام ہی در اصل ہر مسئلہ کا حل اور ہر بیماری کی دوا ہے۔ جو معاشرہ دینی دعوت سے خالی ہو، اخلاقی نصب العین سے دور ہو، وہ معاشرہ ہر قسم کی غلط تحریکوں اور فتنوں کے لیے نرم چارہ اور آماجگاہ ہوتا ہے، اس کی مثال ریت کے اس بڑے ٹیلے کی سی ہوتی ہے جسے ہوا کا طوفان اڑا کر لے جاتا ہے۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلہ ہموار زمین بن جاتا ہے۔

ہمیں سندھ کی سرزمین کو اسلامی دعوت کے لیے ساز گار بنانے کے لیے مل جل کر کام کرنا چاہیے، اس سے دوسرے شعبوں میں ہونے والے کاموں کو تقویت حاصل ہوگی لیکن دعوت کا کام اس طرح ہو جس سے ذہن مفلوج بن کر نہ رہ جائیں اور مسائل حیات سے عدم دلچسپی پیدا نہ ہو اور ساتھ ساتھ نئے دور کے نئے فتنوں اور نئی تحریکوں کا شعور بھی پیدا ہو اور معاشرے کو ان فتنوں سے بچانے کا جذبہ بھی پیدا ہو............ یقیناً سندھ میں بظاہر حالات ہمارے حق

Marfat.com

میں نہیں ہیں۔ ظلمت کا دور دورہ ہے عصبیت اور نیشنلزم نے عقلوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ لیکن رات کی تاریکی کے بعد ہی تو سورج کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ ظلمت کا دور اس لیے آتا ہے تاکہ حق اور صداقت کی روشنی پھیلانے والوں کو کام کے مواقع میسر ہوں اور خدا کے ہاں ان کے درجات بلند ہوں اور لوگ ان کی سیرت و کردار سے اپنی زندگیوں میں نورِ ایمانی اور رنگِ ربّانی حاصل کرسکیں اور ظلمت، تاریکی اور جہالت اہلِ حق کے لیے امتحان بھی ہوتا ہے کہ وہ حالات سے مایوس ہو کر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں یا اپنی توانائیاں حق کے فروغ کی جدوجہد میں صرف کرتے ہیں۔ تاریخ میں ایسے سیکڑوں ادوار نظر آتے ہیں کہ جب ظلمت و جہالت کی قوتیں طاقتور تھیں۔ بظاہر حالات مایوس کن تھے۔ اصلاح اور روشنی کی کوئی صورت دور دور تک نظر نہیں آتی تھی، لیکن اللہ کا ایک بندہ یا چند بندے اٹھے، انھوں نے حالات اور لوگوں کے تعاون وعدم تعاون سے بے نیاز ہو کر کام شروع کیا۔ ان کی جدوجہد کی بدولت جلد ہی تاریکی کے بادل چھٹنے لگے اور اسلامی دعوت کے لیے حالات سازگار ہونے لگے۔ ہماری پوری تاریخ اس طرح کی کشمکش سے عبارت ہے۔ اس لیے ہمیں لوگوں کے عدم تعاون سے بے نیاز ہو کر اللہ کی ذات پر توکل کرکے نئے خطوط پر کام کرنا چاہیے۔

والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

۸ رمئی ۱۹۹۲ء

محترم جناب گرامی قدر خلیل احمد اللہ والا

السلام علیکم .... مزاج شریف۔

سندھ کے حالات جس طرح خراب ہو رہے ہیں، وہ آپ کے سامنے ہیں۔ فضل

Marfat.com

مبین احمد صاحب آپ کے اور حاجی محمد رفیع صاحب کے تعاون سے سندھی زبان میں لٹریچر کے سلسلے میں جو کام شروع ہوا تھا، وہ راقم کی کمی و کوتاہی کی وجہ سے کافی متاثر ہوا۔ راقم کو احساس ہے کہ سندھ کے موجودہ حالات میں نظریاتی میدان میں جس طرح کام ہونا چاہیے۔ فکر و نظر کی درستگی اور نوجوانوں سے تعلق و رابطے اور سدھارے کا جس جذبے، تحرک اور لگن سے کام ہونا چاہیے تھا، راقم اس میں بہت پیچھے رہا۔ اس کا ایک اہم سبب یہ رہا کہ اس کام کے لیے جو روحانی اور اخلاقی قوت و صلاحیت چاہیے، راقم اپنے آپ کو اس سے خالی تصور کرتا رہا۔ تاہم بزرگوں کی دعا سے اب اس کام کی ضرورت و اہمیت کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کام کے لیے مطلوبہ صلاحیتیں عطا فرمائے۔

میرے لیے یہ بات حیرت انگیز مسرت کا باعث ہے کہ فضل مبین احمد صاحب اور آپ کو سندھی آبادی میں دعوتی اور نظریاتی کام سے شروع سے غیر معمولی دلچسپی رہی ہے اور آپ دونوں اسے اپنا ذاتی کام تصور کرتے رہے ہیں۔ میں اس خط کے ذریعہ آپ کو اس کام کی طرف مزید توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مسلم ٹرسٹ جس مقصد کے لیے قائم ہوا تھا۔ اس میں کوئی زیادہ پیش قدمی نہ ہوسکی۔ حاجی محمد رفیع صاحب مدرسہ تعلیم القرآن کے کام میں ہمہ وقتی مصروف ہیں۔ ٹرسٹ کے لیے آپ جیسے فرد کی صلاحیتوں کی ضرورت تھی۔ میں اس عرصے میں جسمانی اور روحانی طور پر کافی بیمار رہا۔ اس لیے آپ سے رابطہ نہ ہوسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی نے اس ملک میں نئے دور کی نئی تحریکوں اور نئے فتنوں کے مقابلہ کے لیے جو نظریاتی شعور پیدا کیا ہے۔ یہ اس ملک پر جماعتِ اسلامی کا بہت بڑا احسان ہے۔ ہمارے ہاں مساجد و مدارس کی ترقی کے لیے بہت کام ہو رہا ہے۔ ذاتی اصلاح کے لیے بھی بہت ساری شخصیتیں مصروف کار ہیں۔ وعظ و

Marfat.com

نصیحت کی باتیں بھی بہت ہو رہی ہیں۔ لیکن جو فتنے افکار اور نظریات کے حوالے سے ابلاغ کے جدید ذرائع سے داخل ہوتے ہیں، جنھوں نے ہماری نسلوں کی سوچ کے رُخ کو ہی تبدیل کر دیا ہے۔ ان فتنوں کے قلع قمع اور نوجوانوں کو ان تحریکوں کی زہرناکیوں سے بچانے کا کوئی انتظام نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے مذہبی حلقہ مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے کہ ان کے لیے جدید دور کے فلسفے، نظریات، افکار اور تحریکیں سب نئی ہیں۔ صحافت اور ادب کے گوشے سے وہ آشنا نہیں۔ اس سلسلے میں ان کے پاس نیا فکر موجود ہی نہیں۔ جماعت اسلامی قابلِ قدر ہے کہ اس نے اپنے حاملین کے اندر اس اعتبار سے فکر و شعور پیدا کیا اور روایتی طور طریقوں کی بجائے تنظیموں، لٹریچر اور پریس کے ذریعہ الحادی تحریکوں کے مقابلہ کا احساس و شعور پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ مختلف شعبوں میں اپنے دین کی خدمت کا کام مختلف لوگوں سے لیتا رہا ہے۔ کچھ لوگوں سے تزکیہ و احسان و تربیت کا کام لے رہا ہے۔ کچھ لوگوں سے خالص مذہبی دائرے میں دعوت و تبلیغ کی خدمت کا کام لے رہا ہے تو کچھ لوگوں سے اسلام کو درپیش نئے دور کے چیلنج کے مقابلہ کا کام لے رہا ہے۔ دین کی خدمت کے یہ سارے کام قابلِ قدر ہیں، اور سب اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں، کسی بھی ایک شعبہ کے کام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ورنہ معاشرے میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے زبردست خلا پیدا ہو جائے گا۔ بہرحال فضل مبین احمد صاحب اور آپ کی سندھ میں اسلام کے نظریاتی کام کے لیے فکرمندی اور اضطراب قابلِ قدر ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے درخواست ہے کہ آپ مسلم ٹرسٹ کو فعال اور متحرک بنانے کے لیے وقت دیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ ادارہ بنیادی طور پر ایک آدھ فرد کے خونِ جگر سے ہی چلتا ہے۔ اس کے تحرک اور فنائیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ معاونین کا حلقہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں حاجی محمد رفیع کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ تعلیم قرآن کے کام میں فنائیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت عطا فرمائی ہے۔ آپ اس جذبے کے ساتھ کام کریں کہ ہمیں اللہ کی مدد سے سندھ

Marfat.com

میں ایک طاقت ور پریس وجود میں لانا ہے۔ اور سندھی زبان کو اسلام کے دعوتی اور نظریاتی لٹریچر سے بھر دینا ہے تاکہ سندھ کا مزاج اور نفسیات اسلامی بن سکے۔

کچھ وقت پہلے مسلم ٹرسٹ نے سندھی زبان میں جس نظریاتی رسالہ کے اجراء کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے میں نے معذرت ظاہر کی تھی۔ لیکن اب اس کام میں راقم ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔ یہ کام وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ سندھی زبان میں شائع ہونے والے رسالوں اور لٹریچر نے ہمارے نوجوانوں کی کھیپ کی کھیپ کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کے ذہن اتنے پراگندہ کر دیے گئے ہیں کہ وہ اسلام کو ایک فرسودہ مذہب تصور کرنے لگے ہیں۔ اور مذہب اور مذہبی لوگوں سے ان کے ذہنوں میں گہری نفرت پیدا کر دی گئی ہے۔ ان حالات میں استقامت اور صبر کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک نظریاتی میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مایوس ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ نے ہمارے کام، تحرک، خونِ جگر اور جد وجہد کے دوسرے سرے پر کامیابی کا فیصلہ لکھ دیا ہے۔ "جاء الحق و زھق الباطل" کا مطلب بھی یہی ہے کہ حق جب پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے گا تو باطل کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑے گی۔ ظاہر ہے یہ تب ہوگا جب اہلِ حق حق کی سربلندی کے لیے جرات اور ہمت کے ساتھ میدان میں آئیں گے۔

اگرچہ سندھ کے حالات بہت آگے جا چکے ہیں۔ اب تک ہمیں ایک طاقت ور اسلامی پریس وجود میں لانا چاہیے تھا۔ جہاں سے سندھی زبان میں رسالہ، اخبار اور نظریاتی لٹریچر شائع ہوتا۔ ہماری سستی اور غفلت کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا۔ بہرحال قدرت کی طرف سے اس کی تلافی کے لیے وقت موجود ہے۔ وقت سے فائدہ اٹھا کر ہم اب بھی اس سلسلے میں پلاننگ کے ساتھ کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اپنی نسلوں کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑتے ہیں اور ان کی فکر و نظر کو درست کرنے اور ان کی تربیت کے لیے بہتر، صحت مند اور مؤثر ادارے ورثے میں نہیں چھوڑتے، وہ اپنی نسلوں کے ساتھ بڑی بدخواہی کرتے ہیں۔ اگر

Marfat.com

ہمارے بزرگ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری طرح محسوس کرتے اور نئی نسلوں کے اندر اقدار اور روایات کو منتقل کرنے کے سلسلے میں اپنے حصّہ کا کردار ادا کرتے تو آج حالات اتنے خراب نہ ہوتے۔ اور اپنی اقدار، تہذیب اور ایمان دالقان کے بنیادی ڈھانچہ پر عدم اعتماد کی وہ فضا پیدا نہ ہوتی۔

خط کی طوالت سے میں آپ سے معافی چاہوں گا۔ امید ہے کہ ان معروضات پر غور و فکر فرمائیں گے۔

والسلام

احقر

محمد مومن بھٹو

محترم جناب پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب[۱]

السلام علیکم .... مزاج شریف

سندھ میں اسلام کے دعوتی اور نظریاتی کام کے لیے آپ کی دردمندی، فکرمندی اور اضطراب ہم جیسے افراد کے لیے لائق تقلید اور موجب تسکین ہے۔

سندھ میں ہمیں جو چیلنج درپیش ہے وہ ہمہ گیر ہے۔ کوئی شعبہ اور میدان ایسا نہیں ہے جہاں اسلامی نقطۂ نگاہ سے حالات تشویشناک نہ ہوں۔ علمی، ادبی اور صحافتی میدان میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں بڑی حد تک ایسے افراد کا قبضہ ہے جو یا تو اسلام اور اسلامی نظریے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے یا پھر لادین عناصر سے مرعوب اور متاثر ہیں۔ یا پھر یہ ادارے براہِ راست سیکولر ذہن اور نیشنلزم کے علمبرداروں کے قبضہ میں ہیں۔

تعلیمی اداروں پر ایک عرصہ سے غلط تنظیموں کا تسلط قائم ہے۔ ان تنظیموں نے طلبہ کے ذہن کو مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے اور ان کے ذہنوں کو اسلام اور ملتِ اسلامیہ

---

[۱] پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب سندھ میں اسلامی مکتبِ فکر کے نمایاں دانشور ہیں۔ وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، فکرِ مودودی کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ متعدد اہم کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں علاقائی مسائل کے بارے میں "اسلام کا موقف" ان کی تحقیقی اور وقیع کتاب ہے۔

Marfat.com

کے بارے میں طرح طرح کے اشکالات سے بھر دیا ہے۔ نہ تو تعلیمی فضا قائم رہنے دی ہے اور نہ ہی صحت مند لٹریچر کے مطالعہ سے رغبت پیدا ہونے دی ہے۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پریشر ڈالنے کی ساری قوت بھی لادین عناصر کے پاس موجود ہے۔ اس اعتبار سے تو ہماری حالت بہت خستہ ہے۔ وہ بیانات کے ذریعہ خوف وہراس پیدا کرکے اور رعب ڈال کر اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ اور حکومت کو مجبور کرکے مختلف اداروں میں اپنے کام کے لوگوں کو سربراہ کار کی حیثیت سے تقرر کرا رہے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری طرف سے مزاحمت کی کوئی تحریک موجود نہیں اور کوئی تنظیم ایسی نہیں ہے جو لادین عناصر کے دباؤ کا جواب دے سکے اور عام مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ذرائع ابلاغ سے صحت مند موقف پیش کر سکے۔

اسی طرح سندھ جن مسائل کی آگ میں جل رہا ہے اور معاشی طور پر حالات جس طرح دگرگوں ہیں اور نوجوان بڑے پیمانے پر بے روزگاری کا شکار ہیں ان کے مسائل کو پیش کرنے اور بین الصوبائی شکوہ شکایات اور مسائل کے معاملہ میں سندھ کے کیس کو حقائق کے ساتھ مؤثر طور پر سامنے لانے کا بھی کوئی فورم موجود نہیں ہے۔ سندھو دیش کے حامی عناصر تو مسائل کو بہانا بنا کر سندھ کی پاکستان سے جدائی کا جواز پیش کرتے ہیں اور راہ ہموار کرتے ہیں اور ان کو سندھ اور اہل سندھ کے مسائل سے عملاً کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ مختلف تنظیموں نے نوجوانوں کی ذہنی بے راہ روی سے فائدہ اٹھا کر ان کو دشمن ملک میں بھیج کر اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس نے امن وامان کی صورت حال کو دگرگوں کر دیا ہے۔ کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ نہیں۔ جماعتیں اور تنظیمیں تو قومی رہنمائی اور اخلاقی تربیت کے لیے متشکل ہوتی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں تنظیمیں نئی نسلوں کو دہشت گردی کی ٹریننگ دینے کا کام کر رہی ہیں۔ بھارت جو شدید داخلی بحران کا شکار ہے اور جسے کشمیر میں آزادی کی زبردست تحریک کا سامنا ہے، اس نے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لیے سندھ کو خصوصی نشانہ بنایا ہے۔ وہ پچھلے چند سالوں سے مسلسل نوجوانوں کو دہشت گردی اور تخریب کاری

Marfat.com

کی ٹریننگ دے رہا ہے۔ اب تک ہزاروں نوجوان ٹریننگ حاصل کر چکے ہیں۔

یہ وہ صورتِ حال ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ جب نئی نسلوں کی اخلاقی اور دینی تربیت اور اسلام پر ان کے اعتماد کو بحال کرنے کا کام نہ ہوگا تو ظاہر ہے ان کو غلط عناصر کے پھیلائے ہوئے جال سے بچانا مشکل ہے۔ اسلامی عناصر کی طرف سے پچھلے تیس سال سے سندھ میں مختلف تجربے ہوئے لیکن یہ تجربے زیادہ کامیاب نہ ہو سکے اور سیلاب کے سامنے بند نہ باندھا جا سکا۔ یقیناً اس میں حالات کی تند و تیز لہر کو بھی عمل دخل حاصل ہے اور چند افراد کی طرف سے برائی کے ہمہ گیر سیلاب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ لیکن راقم کے نزدیک اگر صحیح خطوط پر کام ہوتا تو خدا کی مدد سے بڑی حد تک حالات کا مقابلہ ہو سکتا تھا اور نظریاتی اور عملی طور پر صورتِ حال اتنی خراب نہ ہوتی جتنی اب ہے۔

میرے نزدیک ناکامی اور بے بسی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اسلام کے اجتماعی کام کے لیے ہمارے ہاں علمی اور ذہنی صلاحیت کی ضرورت تو محسوس کی گئی لیکن اسلامی کارکنوں بالخصوص اسلامی قیادت کیلئے جس تزکیہ اور روحانی اور باطنی قوت و صلاحیت کی ضرورت تھی اسے وہ اہمیت نہ دی گئی۔ چنانچہ کام کے لیے باصلاحیت افراد جمع ہوئے، ادارے وجود میں آئے اور تنظیمیں قائم ہوئیں، ابتداء میں جوش و خروش کا مظاہرہ بھی ہوا لیکن جلد ہی مزاجوں کے کانٹے آپس میں الجھنے لگے اور صلاحیتیں صلاحیتوں سے ٹکرانے لگیں۔ نتیجۃً اس وقت ہر شعبہ میں غیر معمولی خلا موجود ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر زیادہ عرصہ تک یہ صورتِ حال قائم رہی تو ہماری نئی نسلیں خطرناک دوراہے پر کھڑی ہوں گی اور ان کو کوئی راستہ سجھائی نہیں دے گا۔ یقیناً سندھ نیشنل اکیڈمی اور مہران اکیڈمی کی طرف سے لٹریچر کے میدان میں کام ہو رہا ہے۔ اللہ کے فضل سے دورِ جدید کے نظری اور نظریاتی مسائل پر ہمارے لٹریچر نے بڑی حد تک علمی خلا کو پر کر دیا ہے، لیکن محض لٹریچر کی اشاعت کافی نہیں ہے۔ اس لٹریچر کو منظم طور پر پھیلانے اور پڑھنے پڑھانے کی ضرورت ہے۔ ادبی میدان میں رسالہ، بلکہ رسالوں کے اجراء کی ضرورت ہے۔ سندھ کی بنیاد پر تو خیر لکھنے والوں کو پلیٹ فارم

Marfat.com

مہیا کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح صحافتی میدان میں کام کی سخت ضرورت ہے۔

ان سارے کاموں کے لیے جہاں حالاتِ حاضرہ اور مسائل سے واقف باصلاحیت قیادت کی ضرورت ہے وہاں قیادت میں تزکیے اور نفسی مسائل کی اہمیت کا شعور ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ صلاحیتوں اور وسائل کے باوجود انتشار کو روکا نہیں جا سکتا اور اسلامی تحریک کا قافلہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اسلئے کہ اسلامی کام کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ یہاں نہ تو عورت اور گانوں کے ذریعہ تفریح طبع کا سامان ہے۔ نہ مفادات کی تکمیل کا انتظام ہے نہ ہی شہرت اور نمائش کی گنجائش ہے۔ جن تحریکوں میں اس طرح کی تفریح کا سارا سامان موجود ہوتا ہے وہاں تو نفس اور نفسانیت کی تسکین اور مشترکہ مادّی مفادات کی وجہ سے اجتماعیت کا نظام کچھ زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا کام اللہ کے ساتھ محبت کے تصور کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ کے ساتھ یہ محبت جس قدر زیادہ ہو گی، نفسی مسائل پر کنٹرول اسی قدر آسان ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لیے قرآن نے اجتماعی دعوتی کام کے لیے نرم دلی کی صفت ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اور اسے اجتماعیت کے اصول کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ	یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو، اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے بھاگ جاتے۔ پس ان کو معاف کرو اور ان کے لیے مغفرت مانگو اور معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔
(سورۃ نساء ۱۵۹)	

یہ آیت اس معاملہ میں بالکل واضح ہے کہ قیادت کے اندر جب تک نرمی اور نرم خوئی کی صفت پیدا نہ ہو گی تب تک افراد کار کو جمع نہیں کیا جا سکتا ہم علم، ذہانت، صلاحیت، منصوبہ بندی اور وسائل ہی کو اسلامی دعوت کے کام کے لیے

Marfat.com

ضروری سمجھتے ہیں دل کی صلاحیت کو اتنی اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ یقیناً ہمیں جدید دور کے حالات و مسائل سے واقف، باصلاحیت اور ذہین افراد کار کی ضرورت ہے! اس کے بغیر نئے حالات میں دین کو درپیش چیلنج کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمارا وہ مذہبی طبقہ جو ذکر و فکر اور نفس کی اصلاح کے معاملہ میں کافی آگے ہے وہ حالات و مسائل کے عدم شعور اور صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے ہی تو نئے دور کے نئے حالات میں کوئی قابل ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن ہماری ناکامی کا سبب صلاحیت کے فقدان سے زیادہ تزکیہ کا فقدان ہے۔ ہمیں اپنی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔ اس کے لیے جیسا کہ میں نے تجویز پیش کی تھی کہ آپ اور مجھ جیسے افراد کو تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ وقت لگانا چاہیے۔ اس سے انشاء اللہ افراد کے ساتھ نباہنے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور ایک حد تک نفس کی اصلاح کی صورت بھی پیدا ہوگی۔ امید ہے کہ آپ میری اس تجویز پر غور و فکر کریں گے اور دوسرے ساتھیوں کے سامنے بھی یہ تجویز پیش کریں گے۔ ہمیں تبلیغی جماعت کا حصہ نہیں بننا ہے۔ ہمارا دائرۂ کار مختلف ہے لیکن ہمیں تبلیغی جماعت کی چلتی پھرتی درسگاہ سے نفسی تربیت حاصل کرنی ہے۔ والسلام

احقر۔ محمد موسیٰ بھٹو

برادر محترم پروفیسر عبدالرحمٰن جتوئی صاحب[1]

السلام علیکم .... آپ کی کتاب "پاکستان کیوں بنا؟" اور ساتھ خط بھی ملا۔ آپ نے سندھی زبان میں یہ کتاب شائع کر کے بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ سندھ کے موجودہ ذہنی خلفشار کے ماحول میں اہل سندھ بالخصوص نوجوانوں کو صحیح تاریخی حقائق سے واقف کرنا اور ہندوؤں کی ذہنیت سے آشنا کرنا یہ ایسا کام ہے جس کی اہمیت مسلم ہے۔ آپ کی اس طرح کی کتابیں اس سے پہلے بھی ملتی رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ کے موجودہ حالات میں اسلام اور تعمیر ملت کا

---

[1] پروفیسر جتوئی صاحب چانڈکا میڈیکل کالج لاڑکانہ میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ وہ سندھی زبان میں ایک درجن سے زائد دینی کتابیں شائع کر چکے ہیں وہ نیشنلزم کے طوفان خیز ماحول میں رہتے ہوئے بھی نیشنلزم کے اثرات سے ذرہ

Marfat.com

معمولی کام بھی بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کے جذبے اور کام کو دیکھ کر آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اس وقت سندھ میں مذہبی حلقوں میں چہار سو خاموشی، مایوسی اور نیشنلزم اور نیشنلسٹ طاقتوں سے بالعموم مرعوبیت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔

اس وقت اسلامی اور ملی وحدت کو جو خطرہ سندھ میں ہے وہ پاکستان کے کسی دوسرے صوبہ میں لاحق نہیں۔ یقیناً حالات کی خرابی میں بہت سے عوامل کو عمل دخل حاصل ہے۔ بیرونی طاقتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ سیاستدان بھی حالات کو خراب کر رہے ہیں۔ نیشنلزم کی تحریکیں بھی مصروف عمل ہیں۔ لیکن معاشرے میں دین کا فکری اور دعوتی کام کرنے والے افراد اگر پوری جرأت، ہمت اور استقامت کے ساتھ کام کر رہے ہوں تو اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل حال ہو جاتی ہے اور بالآخر منفی طاقتوں کو یا تو شکست ہو جاتی ہے یا ان کے اثرات کا توڑ ہو جاتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں کام سے زیادہ نظریاتی بحثوں سے دلچسپی ہے۔ ہمارے کچھ دوست علاقائی مسائل کی دلدل میں اس طرح پھنس گئے ہیں کہ ان کے وقت اور صلاحیتوں کا زیادہ تر حصہ "سندھ کو بچاؤ" کے مسائل میں صرف ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی یہ مداہنت بھی باعثِ اذیت ہے کہ جن لادین قوتوں کے فکری و عملی اثرات کے توڑ کے لیے ہمارے یہ دوست مصروف کار تھے اب علاقائی حقوق کے تحفظ کے لیے انھی عناصر کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں یہ کتنی بڑی تبدیلی ہے جو ہمارے بعض دوستوں کے اندر آگئی ہے۔ اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

علاقائی مسائل کے بارے میں اپنے موقف کے اظہار کرتے رہنے میں کوئی

(لہ بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) پھر بھی متاثر نہیں۔ عبدالرحمٰن جتوئی صاحب کا یہ کردار ہمارے لیے قابلِ تقلید ہے کہ وہ اپنی تنخواہ کا قابل ذکر حصہ کتابوں کی اشاعت پر صرف کر دیتے ہیں۔ چونکہ سندھ کا وڈیرہ اور خوشحال طبقہ دینی کاموں میں رقم خرچ کرنے کے اعتبار سے بے حس ہو چکا ہے اور مارکیٹ میں اسلامی کتابوں کی خریداری کا رجحان بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس طرح کے حالات میں جو لوگ لٹریچر کے ذریعہ نوجوانوں تک دین کی دعوت پہنچانا چاہتے ہیں ان کے لیے عبدالرحمٰن جتوئی صاحب کی مثال قابل تقلید ہے۔

Marfat.com

حرج نہیں۔ لیکن جب قومیتی مسائل کو بنیادی اہمیت دے کر ان کے لیے تحریک چلائی جائے، وقت اور محنت صرف کی جائے اور سیکولر اور آزاد پسند قوتوں کے ساتھ مل کر علاقائی مسائل کے لیے منصوبہ بندی کی جائے تو اس سے مسائل اولیت اختیار کر جاتے ہیں اور اسلام کا کام ثانوی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ حمیتِ دین کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اور حمیتِ مسائل بڑھ جاتی ہے۔

پھر علاقائی مسائل کے کیس کو اس طرح پیش کرنا کہ مسلمانوں کے دو طبقات کی رنجشوں اور تلخیوں میں اضافہ ہو اور باہمی مفاہمت کے راستے مسدود ہو جاتے ہوں، یہ روش تو آخرت کے نقطۂ نگاہ سے بھی خسارے کی روش ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہمارے لیے انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک نیک شخص آئے گا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اسے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ وہ کہے گا کہ یا اللہ میں نے تو دنیا میں نیکیاں ہی نیکیاں کی تھیں۔ مجھے یہ کس عمل کی سزا دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یقیناً تم نے دنیا میں نیکیاں کی تھیں۔ لیکن ایک دن تمھاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تھے، جس سے مسلمانوں کے دو گروہ باہم برسرِ پیکار ہو گئے تھے۔ پہلے اپنی اس گفتگو کی سزا بھگتو، اس کے بعد نیکیوں کی جزا ہوگی۔ اس لیے مسلمانوں کی باہمی تلخیوں میں اضافہ کرنے یا ان کے باہمی متنازع مسائل کے موقف کے اظہار بیان میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح فکر اور شعور سے نوازا ہے۔ اس پر آپ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہیں۔ دانشوری جہاں اللہ کا بہت بڑا انعام ہے وہاں دانشوری بعض اوقات کج لائن پر جانے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔

آپ سندھ میں کام کے سلسلے میں مجھ سے میری رائے اور مشوروں کے متقاضی ہیں۔ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ ہمیں سندھ کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات سے بے نیاز ہو کر مسلسل اپنا دعوتی کام کرتے رہنا چاہیے اور نوجوانوں کو دینی اور اخلاقی اعتبار سے سنبھالنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنی اس حیثیت کو اجاگر کرنا

Marfat.com

چاہیے کہ ہم کسی کے مخالف نہیں ہم تو ـــــــ سب کی بھلائی اور خیر خواہی چاہتے ہیں۔ جو لوگ سندھ کی نسلوں کو اپنی تہذیب ا اقدار اور بنیادی عقائد سے باغی بنا کر ان کو سیکولرزم، آزادی اور دھرتی ماتا کے امتزاج سے ایک نئی تہذیب کی آغوش میں لے جانا چاہتے ہیں، ہم پوری دل سوزی کے ساتھ ایسے لوگوں کو سندھ اور اہلِ سندھ کے مسائل اور مصائب کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ سندھ کے ہرگز بہی خواہ نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ نئی نسلوں کو اپنے عقائد اور تہذیب سے باغی بنانے کے بعد ان کو فکری اور عملی انتشار سے بچانا ناممکن ہے۔۔۔۔۔ حکمراں، سیاست دان اور لیڈرانِ کرام بیانات اور سیاست کے ذریعہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ سیاست کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن جب سیاست کے پہلو بہ پہلو حالت یہ ہو کہ معاشرے کا اجتماعی ضمیر مردہ ہو چکا ہو۔ اصلاح اور تعمیرِ ملت کے سارے کام افراد کی اغراض پرستی اور ہوس پرستی کی نظر ہو جاتے ہوں اور قانون کے نفاذ کی قوتوں پر نفس پرستی غالب آ چکی ہو۔ تو ایسی صورت میں حکمرانوں اور سیاستدانوں کا کام مشکل تر ہو جاتا ہے اور ان کی کوششوں کے بہتر نتائج نہیں نکل سکتے۔ حالات کی بہتری کا فطری طریقہ یہی ہے کہ معاشرے کے دردمند افراد امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کریں اور لوگوں کے اندر ایمان و یقین اور اخلاقی نصب العین کے شعور کو اجاگر کریں۔ اور نفس، شیطان اور مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ کے لیے ان کے باطن میں مزاحمتی قوت پیدا کریں۔ انشاء اللہ اسی کام کی برکت سے معاشرے کے اندر سے بہت سارا خیر نمودار ہوگا۔

آپ نے سندھی زبان میں ایک معیاری نظریاتی دینی رسالہ کی ضرورت کا اظہار بھی کیا ہے، جو حالات و مسائل کے بارے میں اسلام کے صحیح موقف کو واضح کرتا رہے اور نیشنلزم اور علاقائیت کی فضا میں ملی اور قومی ذہن بنانے کا فریضہ سرانجام دیتا رہے۔ اس سلسلے میں کوششیں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ ہم جیسے علم و عمل کے کوتاہ اور ناتواں افراد سے یہ کام لے لے۔ آج کے دور میں مقامی زبان میں معیاری نظریاتی دینی رسالہ نکالنا اور پھر

Marfat.com

۱-۱

دینا ... ہی نہیں، ویسے میں پچھلے کئی سالوں سے رسالہ کے اجراء کا پروگرام بناتا ... ریہ ... انجام
رہا ہوں۔ "سچائی" کے پانچ سات شمارے نکلے بھی لیکن وسائل کی کم یابی کی
وجہ سے اسے بند کرنا پڑا۔ رسالہ کے سلسلے میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ خریدار وں
کا حلقہ موجود نہیں، سارا رسالہ اعزازی طور پر تقسیم کرنا پڑتا ہے، اگرچہ اس کے
اثرات ہوتے ہیں فکر و نظر میں تبدیلی آتی ہے اور حالات و مسائل کے بارے میں
صحیح نقطۂ نگاہ بننے میں مدد ملتی ہے۔ نیز جہاں سراپا نیشنلزم کی سوچ ہو وہاں رسالہ
کے ذریعہ سے ملی سوچ کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے اس کے لیے کافی
وسائل چاہئیں۔

رسالہ کے اجراء کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ایک ٹیم بنائیں اور
سرکولیشن کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے ایک ہمہ وقتی کارکن رکھیں اور سندھ بھر
کے بک اسٹالوں اور مکتبوں پر رسالہ رکھیں یہ طریقہ اختیار کرنے سے رسالہ چل
سکتا ہے اور انشاء اللہ دو تین سال کے اندر رسالہ کے لیے خریداروں کا حلقہ
بن سکتا ہے لیکن اس کے لیے بھی ابتداء میں رسالہ کے انتظامی امور کے لیے کافی
وسائل کی ضرورت ہے۔

بہر حال سندھی زبان میں معیاری نظریاتی دینی رسالہ کے اجراء کی اشد ضرورت
ہے! اس سلسلے میں ہمیں مل جل کر غور و فکر کر کے کوئی صورت نکالنی چاہیے۔

والسلام

احقر

محمد موسیٰ بھٹو

Marfat.com

اسلام اور ہمارے مسائل

مرتب

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸، حیدرآباد۔

Marfat.com